جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدّثِ عصر



بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

سلسلہ نمبر ۱۹۵	شمارہ ۹	جلد نمبر ۲۲	اپریل/مئی ۲۰۲۵

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر

مولانا سید فضیل احمد ناصری
08881347125

نگران ترسیل

مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

اشتراک وتعاون

اندرونِ ملک:

فی شمارہ -/30 سالانہ -/360

خصوصی -/1000

تاحیات -/6000

بیرونِ ملک:

سالانہ: 20 امریکی ڈالر

خصوصی: 100 امریکی ڈالر

تاحیات: 500 امریکی ڈالر

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484 ای-میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

صریرخامہ

نوادرات شاھی

قرطاس وقلم

صریر خامہ

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

حج اسلام کی اہم ترین عبادات میں سے ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسے دین حنیف کے پانچ ستونوں میں سے ایک قرار دیا۔ بڑے فضائل ومناقب سے معمور۔ عجیب وغریب عاشقانہ انداز کی عبادت۔ لباس بھی عام ملبوسات سے جدا۔ کھلے ہوئے کپڑے۔ خیاطانہ تصرفات سے پاک۔ خاص اطوار پر اوقات کا گزر بسر۔ لبیک اللّٰھم لبیک کا دل پذیر اور سکون بخش نعرہ زبان پر۔ احرام کے تقاضے سب سے الگ تھلگ۔ بہت سی چیزیں ممنوعات میں۔ خانۂ کعبہ پر نظر پڑی۔ ایک عجیب سی کیفیت، بلکہ صحیح معنوں میں کیفیات کی موسلا دھار بارش۔ رحمتوں کی متواتر برسات۔ آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ دل غرق ندامت۔ اپنے معاصی کی یادیں اور رحمت باری کی پہنائیاں۔ جسم کا رواں رواں یاد الٰہی میں مست۔ حاجیوں کی ایک ایک ادا سب سے الگ سب سے جدا۔ حج ہو یا عمرہ، بس وارفتگی کا عالم۔ حجاج ایک منفرد جذبہ وہیئت کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں ہر جگہ ہوتے ہیں۔ کبھی طواف ہے۔ کبھی حجر اسود کا بوسہ۔ کبھی ملتزم سے چمٹ کر ربِ کعبہ سے اپنے دل کی باتیں۔ اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کا اظہار۔ اپنوں اور ہم مذہبوں کے لیے نیک خواہشات۔ آب زمزم کے جرعے۔ پھر صفا مروہ کی سعی ہے۔ خاص انداز کی چال۔ پھر درمیان میں دوڑ اور ہر جگہ زبان مصروفِ اوراد۔ کبھی عرفات کا میدان ہے۔ گاہے مزدلفہ کا مقام۔ پھر عزازیل کی دل آزاری کے لیے جمرات کی رمی۔ غرض حجاج اور معتمرین ایک الگ ہی دھن میں۔ لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ایک ساتھ سر بہ سجود۔ دنیا بھر کے مؤمنوں کا روح پرور اجتماع۔ کوئی حبشی ہے۔ کوئی قیصر وکسریٰ کے دیار کا۔ کوئی شام سے آیا ہوا ہے۔ کوئی سات سمندر پار سے۔ بھانت بھانت کے لوگ۔ الوان واشکال مختلف، مگر اتحاد کے عظیم مناظر۔ سب ایک ہی لباس میں۔ سب کا ایک ہی نعرہ۔ سب کی عبادتوں کا طریقہ ایک۔ ایک اللہ، ایک رسول، ایک قرآن اور ایک کعبہ نے سب کو متحد کر دیا۔ کاش کہ حجاج کرام وہی اتحادی

رنگ وطن واپسی پر بھی دکھائیں!

حج کی یہ عظیم عبادت عازمین کو مبارک ہو۔ ان سے بس ایک ہی درخواست ہے کہ اخلاص کا توشہ ہر آن ساتھ میں ہو۔ رضائے الٰہی ہمہ وقت پیش نظر۔ پیغمبر برحق علیہ السلام ہی کا فرمان ہے کہ اصول وآداب سے کیا ہوا حج گناہوں کے سارے داغ زندگی سے مٹا دیتا ہے اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج سے واپسی پر محسن انسانیت کی بارگاہ میں حاضری بھی دینی ہے۔ اسی ہستی نے تو کہا ہے: **من زار قبری و جبت له شفاعتی**۔ وہاں کی حاضری پر بھی ہر گام ہوشیار۔ آہستہ خرام، بلکہ مخرام۔ شور وشغب ہرگز نہ ہو۔ بلند اقبالی دیکھئے کہ درود وسلام کا تحفہ پہلے ہزاروں میل دور سے بھیجتے تھے اب ان کے دربار میں ہی پہونچ چکے ہیں۔ اللہ کرے کہ حرمین شریفین کی یہ حاضری عند اللہ قبولیت پائے اور زندگی میں صالح انقلاب کی ضامن ہو۔

❁ .... ❁ .... ❁

ادھر حجاج حج اور اعمال حج میں مصروف ہوں گے اور ادھر پوری دنیا عید قربان منا رہی ہوگی۔ عید الاضحیٰ کہیے یا عید قرباں۔ بات ایک ہی ہے۔ ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند کی قربانی پیش کی تھی۔ وہی ہمیشہ کے لیے ایک محبوب عمل ٹھہر گیا۔ فرق بس اتنا کہ انہوں نے فرزند کو قربان کرنا چاہا تھا اور ہم سے فقط جانور ذبح کرنے کا مطالبہ۔ ایام تشریق کی بھی ایک شان ہے۔ اتحاد واتفاق کا ایک بے مثال نظارہ۔ ہر فرض نماز کے بعد خاص قسم کی تسبیح۔ وہ بھی بلند آواز میں۔ **الله اکبر الله اکبر لاالٰه الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد**۔ پھر قربانیوں کا ایک سلسلہ۔ تین دنوں تک رضائے الٰہی کے لیے جانوروں کی قربانی۔ النبی الامی فداہ ابی وامی نے فرمایا کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی عبادت محبوب نہیں۔ انہوں نے ہی یہ بھی فرمایا ہے **هي سنة ابيكم ابراهيم** یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔ اس کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ کیا ٹھکانہ ہے رحمتِ باری کا۔ قربانی ایثار سکھاتی ہے۔ حکم ربانی کے سامنے نفس کشی کی تلقین کرتی ہے۔ باہمی مودت والفت کے جذبات ابھارتی ہے۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی کا درس دیتی ہے۔ حالات کا شکوہ کب تک کیا جائے اور اب سینہ کوبی کا حاصل بھی نہیں رہا۔ ہمارا معاشرہ سب سے کٹا ہوا ہے۔ بھائی بھائی سے نالاں۔ ہمسائے خفا خفا۔ بلکہ بات دست وگریباں تک بھی پہونچی ہوئی۔ عید الاضحیٰ کا ایک پیغام یہ بھی ہے کہ اس مقاطعے اور لاتعلقی کو بھی قربان کیا جائے۔ اللہ کرے کہ امت مسلمہ کی قربانیاں قبول ہوں۔

❁ .... ❁ .... ❁

22/اپریل 2025 کو جنوبی کشمیر کے پہلگام میں واقع بائسرن میں جو کچھ ہوا وہ خطہ کے امن و سکون کو غارت کرنے والا تھا۔ امن دشمن عناصر نے بائسرن میں 26 سیاحوں کی جان لے لی، جن میں کچھ سرکاری افسران بھی تھے۔ یہ دل دوز المیہ پہلگام سانحے کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ خبر جیسے ہی نیشنل اور انٹرنیشنل میڈیا میں عام ہوئی۔ ساکنان ہند لرزاں وترساں تھے۔ اس قاتلانہ حملے کی سب نے مذمت کی۔ کشمیر تو یوں بھی امن کو ترستا رہا ہے۔ خوب صورت باغات، دل کش پھول اور پھل، اچھلتے ہوئے دریا، دیو قامت پہاڑ، درختوں کی قطار اندر قطار۔ قدرتی حسن کے مناظر کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کا ہر ممکن تحفظ کیا جاتا۔ افسوس کہ زمین کے اس فردوس کو آتش کدہ بنا دیا گیا۔ پہلگام سانحے سے پہلے بھی ایک دردناک واقعہ رونما ہوا تھا جو پلوامہ سانحے کے نام سے مشہور ہے۔ اللہ جانے وطن عزیز کو کس کی نظر لگ گئی کہ جب بھی ماحول ذرا پرسکون ہوتا دکھائی دیتا ہے، کوئی نہ کوئی ایسی خبر ظہور پذیر ہو جاتی ہے جو باشندگان ہند پر بجلی بن کر گرتی ہے اور حالات انتہائی ناہموار و زہرہ گداز۔ ارباب سیاست کی آپسی چپقلش اور نامناسب زبان و بیان کی وجہ سے سیاسی فضا ایسے ہی زہر آلود بنی ہوئی ہے۔ کمزور طبقہ اپنے دل پر لگے ہوئے زخموں سے چور ہے۔ پہلگام کا سانحہ اس پر مستزاد۔ اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ بارہا کہا جا چکا کہ بدامنی انتہائی ناپسندیدہ ہے اور کوئی بھی سلیم الفطرت انسان اسے گوارا نہیں کر سکتا لیکن کیا کیا جائے، جن کی طبیعت میں ہی شر ہو وہ شر نہ پھیلائیں تو اور کیا کریں! ملک کی خوشگوار فضا انہیں راس نہیں آتی۔ پرکیف مناظر کو زہر آلود بنانے کے لیے ہمہ وقت موقع کی تاک میں رہتے ہیں۔ ہندوستان کے ہر شہری کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ایسے عناصر پر کڑی نگاہ رکھیں اور انہیں کسی بھی طرح اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہونے دیں۔

❀ .... ❀ .... ❀

پہلگام سانحے کا شاخسانہ دیکھیے، ہندوستان اور پاکستان میں خوف ناک کشیدگی پیدا ہو گئی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کا سائرن بھی بج گیا۔ ۷ رمئی سے خوں ریز جنگ بھی شروع۔ سرحدوں پر سخت تناؤ ہے۔ فوجی مشقیں چل رہی ہیں۔ ڈرون طیاروں کی گردش جاری ہے۔ جنگی جہاز ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر اڑانیں بھر رہے ہیں۔ کئی جانیں ضائع ہوئیں۔ عمارتیں فنا ہو گئیں۔ شہریوں میں گھبراہٹ کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ کئی صوبوں میں ریڈ الرٹ۔ پروازیں منسوخ ہو گئیں۔ سارے پروگرام ترمیم کے شکار۔ میدان کارزار کسی کو نہیں پہچانتا۔ میزائیل کہیں بھی گر سکتے ہیں۔ اس جنگ کا اختتام کب ہوگا معلوم نہیں۔ جانبین کے سخت تیور انسانیت کو لرزا رہے ہیں۔ آپریشن سندور اور بنیان مرصوص ہر گزرتے وقت کے ساتھ ہولناک

بنتے جارہے ہیں۔

دونوں ممالک کے تعلقات یوں بھی بہتر نہیں رہے۔کون سا زمانہ ہے جو مخاصمت سے خالی رہا، تاہم پیروزہ بختی سے صلح پسندی کی خنک ہوائیں بھی گاہے گاہے چلیں، جن سے فضاؤں کی سمیت قدرے کم رہی۔ کاش کہ ایسی ہوائیں متحدہ ہندوستان میں برابر چلتی رہتیں۔ اس وقت دونوں ممالک کی جوصورت حال ہے وہ انتہائی تکلیف دہ ہے۔ ہندوستان پہلگام واقعے کا قصوروار اپنے ہمسائے کوٹھہرا رہا ہے اور یہ پڑوسی اس الزام کو مسترد۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہ سانحہ ہندوستان کا خانہ ساز ہے۔کوئی بیرونی ہاتھ اس میں ملوث نہیں۔اس توتو میں میں کے درمیان سندھ طاس معاہدہ بھی ختم کر دیا گیا۔ یہ معاہدہ عالمی بینک کی نگرانی میں 1960 میں ہوا تھا اور تین جنگوں وسفارتی بحرانوں کے باوجود دونوں ممالک کا یہ تعاون جاری تھا۔اس معاہدے کے تحت مغرب میں واقع دریائے سندھ، چناب اور جہلم پر پاکستان کا اختیار تھا، جب کہ مشرق میں واقع راوی، بیاس اور ستلج پر ہندوستان کا حق۔اس معاہدے کی معطلی سے پاکستان آگ بگولہ ہے اور اسے اپنے خلاف اعلان جنگ سمجھتا ہے، جنگ کا آغاز بھی ہوگیا اور تمام تر تباہیوں کے ساتھ۔ایسے وقت میں میڈیا بھی آگ میں گھی ڈالنے کا کام کررہا ہے۔ یہ امن پسندی کے بجائے جنگ کی آگ بھڑکا رہا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں رہی، بلکہ یہ خود حل طلب مسئلہ ہے۔کاش کہ یہ نکتہ ان لوگوں کی سمجھ میں بھی آجائے جو ہر وقت معرکہ آرائی کے خواہش مند ہیں۔ جب کہ یہ حقیقت الم نشرح ہوچکی کہ جنگ نہ صرف جانیں لیتی ہے، بلکہ کئی نسلوں کو تباہ وبرباد بھی کرجاتی ہے۔ملکی معیشت کا بحران بھی تحفے میں۔

پتہ نہیں اقوام متحدہ کیوں خاموش ہے! اسے آگے بڑھ کر اپنا رول ادا کرنا چاہیے تھا تاکہ تعلقات کی تلخیاں محبت کی گرم جوشیوں میں تبدیل ہوسکیں، لیکن افسوس کہ جنگ جاری ہے اور یہ عالمی تنظیم خاموش تماشائی۔اس پر کف افسوس ملنے کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

پہلگام واقعے نے وقف ترمیمی قانون اور اس کے اثرات کو ہی پس منظر میں دھکیل دیا۔اب ہر جگہ اسی کا تذکرہ ہے۔ وقف ترمیمی قانون۔آہ، جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔سخت ہنگاموں کے بیچ دونوں ایوانوں سے یہ بل منظور ہو ہی گیا اور صدر جمہوریہ کے دستخط کے بعد وہ باقاعدہ ایکٹ بھی بن گیا۔مسلم تنظیموں کی کوششیں دھری کی دھری رہ گئیں۔آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ نے بل کو منظوری سے روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ مختلف تحریکیں چلائیں۔ جوائنٹ پارلیمانی کمیٹی کو اپنے مشورے دیے۔ ملاقاتیں اور باتیں بھی ہوئیں۔

ہندوستان بھر سے جے پی سی کو اپنے موقف بھی بھیجے گئے اور بل کے مسترد کرنے کا شدومد سے مطالبہ۔ مسلمانوں کی خام خیالی کہ وہ کیوآر کوڈ مہم کے بعد اسے ٹھنڈے بستے میں جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ انہیں کیا معلوم کہ مقتدرہ جو سوچ چکا ہے، بہر حال عملی جامہ پہنائے گا۔ جے پی سی نے جو رپورٹ پیش کی اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ وہ قانون بن کر رہے گا۔ اب یہ بل دونوں ایوانوں سے منظور ہوجانے کے بعد قانون بن چکا ہے۔ ملی تنظیمیں اس کی واپسی کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ مختلف علاقوں میں احتجاجی مظاہرے بھی کیے گئے۔ بنگال میں ایک مظاہرہ ہوا جس میں وہاں کی وزیر اعلی ممتا بنرجی نے بھی شرکت کی۔ مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے بازوؤں پر کالی پٹی باندھنے کی اپیل کی۔ وہ باندھی بھی گئی، مگر حکومت اٹل۔ دہلی کے تال کٹورا اسٹیڈیم میں زبردست جلسہ ہوا۔ بتی گل تحریک بھی چلائی گئی، لیکن معاملہ حسب سابق۔ ادھر بورڈ کا یہ اعلان کہ جب تک بل جب تک قانون واپس نہیں لیا جاتا بورڈ مرحلہ بہ مرحلہ احتجاج کی شکلیں بدلتا رہے گا۔ دیکھیے اس کا انجام کیا ہو۔

وقف بل کا قانون بننا مسلمانوں کے لیے ایک مصیبت بن گیا۔ اتر پردیش میں وقف کی سیکڑوں جائیدادیں غیر قانونی قرار دے دی گئیں اور اب ان پر حکومت کا قبضہ ہے۔ ملک کی کئی مسجدیں شہید کر دی گئیں۔ سیکڑوں مدارس بھی بلڈوزر کی نذر ہو گئے۔ حالات اتنے ناگفتہ بہ کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ مسلمان کہہ رہے ہیں کہ یہ قانون اسلام میں مداخلت ہے، ادھر حکومت عدالت کے سامنے نعرہ زن کہ اس سے مذہب پر کوئی آنچ نہیں آتی، بلکہ یہ مسلمانوں کے حق میں ہے۔ کیرالہ کی غیر مسلم تنظیم اسے مسلمانوں کے لیے خطرناک مانتی ہے۔ کیرالہ کا یہ ادارہ سری نارائنا منوا دھرم ٹرسٹ اس قانون کے خلاف عدالت بھی چلا گیا، مگر ارباب اقتدار اب بھی اپنی ضد میں۔ جج بھی تبدیل ہو گئے۔ جسٹس سنجیو کھنہ کے بعد اس مقدمے کی دیکھ بھال اب جسٹس گوائی کریں گے اور اس کی سماعت 15 / مئی کو ہو گی۔ مسلمانوں کی تشویش بے معنی نہیں۔ اگر یہ قانون واپس نہیں لیا جاتا تو اہل اسلام جن خطرناکیوں سے دوچار ہوں گے ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حکومت سے مطالبہ ہے کہ اس قانون کو کالعدم کرے۔ ملک کی فلاح و بہبود کے لیے بہت سے شعبے منتظر ہیں۔ اپنی توجہات ادھر مبذول کرے۔ دخل در معقولات ہوشیاروں کا شعار نہیں ہوتا۔

……✦……

قسط (۱)

حصول علم کے آداب

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہٗ

جامعہ فاروقیہ کراچی میں اولین ختم بخاری کے موقع پر دہائیوں قبل فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کو مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر شاہ صاحبؒ نے حسبِ عادت یہ گراں قدر تقریر فرمائی جو اپنی علمیت اور معلومات سے بھرپور ہونے کی وجہ سے بے حد پسند کی گئی۔ یہ نایاب تقریر کیسٹ سے سن کر قلم بند کی گئی، جو پہلی بار آپ کی ضیافت کے لئے پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿سبحانك لا علم لنا إلا ما علمتنا إنك أنت العليم الحكيم﴾

حضرات اساتذہ کرام، حضرت صدر محترم اور برادران عزیز اور عزیز طلبہ! جیسا کہ ابھی آپ نے اپنے حضرت الشیخ (مولانا سلیم اللہ خان صاحب) سے سنا کہ مہمان میزبان کے ہاتھ میں بالکل ایسا ہوتا ہے جیسا کہ مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں طب یونانی اصل میں فارسی سے بہت زیادہ متاثر ہے اور اس کے نسخہ جات کے اندر بیشتر تعبیرات فارسی زبان میں ہوتی ہیں، تو وہ جب دوائی کسی مریض کے لیے لکھتے ہیں اور اس دوائی کے متعلق یہ چاہتے ہیں کہ یہ کُوٹ کر، چھان کر مریض کو کھلائی جائے، تو ایک لفظ لکھتے ہیں: کوفتہ بیختہ، دوائی کوٹو، خوب کوٹو اور اسے پھر چھان لو، اسی سے وہ کوفتہ ہے ایک سالن، چوں کہ اس میں گوشت کو، قیمے کو، بے حد باریک کیا جاتا ہے، اس لیے اسے کوفتہ کہتے ہیں، درحقیقت آج میرا حال بھی کوفتہ اور بیختہ ہی ہو رہا ہے، کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے، صبح دس بجے سے میں قیام گاہ سے نکلا ہوا ہوں اور پڑھا لکھا جاہل آج دیکھ لیا، ایک ایسے ساتھی جو کراچی کے بڑے مشہور اور بڑے نامور ہیں، لیکن اب ان کے متعلق اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ پڑھے لکھے جاہل ہیں، مجھ سے گھر پر دعوت کے لیے کہا اور دعوت ہوئی بلوچستان حب کے مقام پر، جو غالباً یہاں سے اسی کلومیٹر ہے، پھر وہاں سے میں

نے اصرار کیا کہ مجھے مغرب سے پہلے مدرسے پہنچا دیجیے، تاکہ میں وعدے کے مطابق پہنچ جاؤں، تو خدا کے بندے مجھے اپنے دوسرے مکان بھینس کالونی لے گئے اور وہاں پھر چائے کے اوپر شدید ترین اصرار کیا اور اصرار کرنے کے بعد اب چھوڑا۔ اور یہ جو میں لفظ استعمال کر رہا ہوں کہ ان کے ہاں سے چھوٹ گیا، ورنہ میں تو ایسا مبتلا ہوا تھا کہ نجات کی نہ توقع تھی، نہ امکان، بہرحال آپ نے انتظار کیا اور زحمت انتظار خود ایک بڑی تکلیف ہے، جس کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں، آپ کے سامنے میں اب کیا عرض کروں؟ آپ کے اساتذۂ گرامی قدر اور خاص طور پر مدرسے کے مہتمم، مدرسے کے بانی، مدرسے کے معمار، یہ تو آپ کے سامنے وقتاً فوقتاً بہترین بلند پایہ نصیحتیں اور نہایت ہی ضروری اور کارآمد ہدایات آپ کو دیتے رہتے ہیں تو ایسی صورت حال میں میں کیا عرض کروں؟ جب کہ میری حیثیت ایک طالب العلم کی ہے اور طالب علم سے زیادہ میری کوئی حیثیت نہیں، غالباً آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم بڑے قابل ہیں، بڑے ماہر ہیں، بڑے عابد ہیں، بڑے علامہ ہیں، حقیقت میں آپ ہی علامہ ہیں اور ہم آپ کے مقابلے میں بالکل ہی جاہل ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ تو نام کے طالب علم ہیں اور ہم کام کے طالب علم ہیں، جس وقت آدمی پڑھانے کے لیے بیٹھتا ہے تو اس وقت اس کی طالب علمی کی ابتدا اور طالب علمی کا آغاز ہوتا ہے۔

اونٹ کے متعلق مشہور ہے کہ اپنے آپ کو بڑا بلند قامت سمجھتا ہے اور کسی چیز کے متعلق یہ باور نہیں کرتا کہ وہ مجھ سے طویل قامتی کے اندر زائد ہے، لیکن جب پہاڑ کے نیچے سے گزرتا ہے، تو اب اسے احساس ہوتا ہے کہ دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ بلند قامت والی چیزیں موجود ہیں، تو آپ کو اس وقت احساس نہیں، آپ اپنے آپ کو سب سے بڑا علامہ سمجھ رہے ہیں اور پاکستان میں تو لفظ علامہ ایک ایسا لفظ ہو گیا ہے کہ جس کی حقیقت ہی نہیں رہی، جسے چاہیں علامہ کہہ کر پکاریں۔ تاہم محسوس یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی پڑھانے کے لیے بیٹھتا ہے تو وہ اس کی طالب علمی کا پہلا دن ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

سیدنا و مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت کو اللہ تعالیٰ نے نظر کیمیا عطا فرمائی تھی، جس کے اوپر حضرت کی توجہ ہوگئی، نظر التفات پڑ گئی، وہ شخص کامل ہو گیا، مکمل ہو گیا اور علم میں اور عمل کے اندر ایک نمایاں اور امتیازی مقام حاصل کیا اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ کے مایۂ ناز شاگردوں میں سے ہیں اور کتنی مشہور شخصیت ہیں؟ لیکن جب دارالعلوم میں انہیں معین المدرسین منتخب کیا گیا اور حضرت کو پڑھانے کے لیے قدوری دی گئی ہے تو حضرت شیخ الہند غائب ہو گئے اور تین دن تک نہیں

ملے، چوتھے دن ہاتھ لگے ہیں، تو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ تو حضرت شیخ الہندزار وقطار رونے لگے اور عرض کیا کہ حضرت! آپ نے کیسے فیصلہ کرلیا کہ میں دار العلوم کا استاد ہونے کے قابل ہوں؟ اور پھر قسم کھا کر فرمانے لگے کہ مجھ میں کوئی ایسی صلاحیت نہیں ہے کہ میں دار العلوم کی مسند تدریس کے اوپر بیٹھ جاؤں، گھبرائے ،نہایت ہی خوف زدہ ہوئے ، اساتذہ کی موجودگی کے اندر درس وتدریس کی ذمہ داری قبول کرنے سے طبیعت نہایت ہی پیچھے ہٹی، لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ کو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ علیہ نے سمجھا کہ تواضع ہے اور جوش کے اندر فرمایا: میاں محمود! ہماری موجودگی میں تمہارا یہ احساس صحیح ہے، استاد کی موجودگی میں طالب علم کو یہی احساس ہونا چاہیے، لیکن جب ہم نہ ہوں گے تو تم ہی تم ہو گے، تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہوگا۔

حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ علیہ کا نام آپ نے سنا ہے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے نہایت ہی ممتاز ترین خلفاء میں سے ہیں، ان خلفاء میں سے ہیں کہ جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کو جانتے ہیں، حضرت کی ضابطہ پسندی، حضرت کے قواعد حضرت کے اصول کوئی شخص حضرت کے یہاں ایسا نہیں تھا کہ جو ضابطے کا پابند نہ ہو، بے ضابطگی کو اختیار کرے۔ اور حضرت اگر بے ضابطگی بھی کسی وجہ سے اختیار کرتے تھے، تو اسے بھی ضابطہ بنادیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ تھانہ بھون پہنچے ہیں، رات کے اوقات میں، خانقاہ بند ہو چکی تھی، حضرت مدنی نے خانقاہ کے سامنے ایک جگہ بستر کھول دیا، اور نوافل شروع کر دیے اور جو خادم تھا وہ بھی پڑ کر سو گیا، صبح حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ تشریف لائے، تو ذرہ ہلکا ہلکا سا اندھیرا دیکھا، پھر ذرا گھور کر دیکھا، پھر قریب آ کر دیکھا، جسم و جثے سے مشخص کرلیا کہ حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ علیہ ہیں، تو قریب ہو کر فرمایا: مولوی حسین احمد صاحب؟ تو حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ نے عرض کیا، کہ جی ہاں حضرت !السلام علیکم، پوچھا کب تشریف لائے؟ فرمایا: رات حاضر ہوا ہوں، فرمایا کہ پھر خانقاہ میں کیوں نہیں قیام فرمایا؟ کہا کہ حضرت اس وقت خانقاہ بند ہو چکی تھی، فرمایا کہ آپ نے کھلوا کیوں نہیں لی؟ کہا کہ حضرت! وہ آپ کا ضابطہ ہے کہ جب بند ہو خانقاہ تو پھر کھلتی نہیں، تو حضرت رحمہ اللہ علیہ نے صبح نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد ایک اعلان لگوایا، اعلان کے الفاظ یہ تھے کہ آج سے خانقاہ کا ضابطہ یہ ہے کہ کوئی ضابطہ نہیں ، جب تک مولوی حسین احمد صاحب یہاں پر رہیں گے کوئی ضابطہ نہیں، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے

بے ضابطگی اختیار کی ایک محترم شخصیت کی وجہ سے تو اسے بھی ضابطہ بنا دیا، تو حضرت کے یہاں کسی کی کوئی قیمت نہیں تھی، کوئی حیثیت نہیں تھی اور وجہ یہ ہے کہ حضرت بے نیاز تھے اور جو شخص مستغنی ہوتا ہے، پھر اس کی نظر میں بادشاہ، شہزادہ، مہاراجہ نہ کوئی حیثیت رکھتے ہیں اور دنیا کی وجہ سے نہ ان کا وقار ہوتا ہے، ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ اور ایک طرح کا انداز اور بڑے بڑے لوگ حضرت سے درخواست، تمنا اور آرزو کیا کرتے تھے کہ کسی طرح بیعت ہو جائیں، لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے ضابطے کے مطابق نہ ہوتا تو کوئی بھی ہو درخواست رد ہو جاتی۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے بیعت کی درخواست دی، حضرت نے فرمایا کہ بیعت ہونا ضروری نہیں، کام ضروری ہے، کام کرو، وہ خدا کا بندہ جواب میں بولا کہ حضرت! میرے نزدیک بیعت ضروری ہے، حضرت نے فرمایا کہ اچھا تو آپ محقق ہیں، میں غیر محقق ہوں، تو محقق غیر محقق کے پاس کیوں آئے؟ تو اب وہ سنبھلا اور سنبھل کر بولا کہ حضرت! میں جاہل ہوں، جہالت کا میرے سے معاملہ ہو گیا، حضرت نے فرمایا کہ اس سے میں بھی متفق ہوں کہ آپ جاہل ہیں، بہرحال اب آپ کا راستہ وہ ہے اور میرا راستہ یہ ہے،

هذا فراق بيني وبينك

لیکن جب حضرت سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ علیہ پہنچے ہیں، حالاں کہ حضرت سید صاحب نے جو بیعت کی درخواست دی تھی وہ بھی عجیب وغریب تھی، خط کے اندر یہ ذکر کیا تھا کہ کتب خانے کے کتب خانے علم کے میں دماغ میں انڈیل چکا ہوں، لیکن جسے طمانینت قلبی کہتے ہیں، وہ نصیب نہیں ہوئی، یہ بھی ایک قسم کا تکبر تھا، اگرچہ اسے سید صاحب نے بطور اظہار واقعہ پیش کیا تھا، سیّد صاحب حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچے ہیں تو حضرت تھانوی نے سیّد صاحب سے فرمایا کہ بھائی! آج میرے دل میں بے تکلف یہ خیال پیدا ہوا کہ سید صاحب مجھ سے بیعت ہو جائیں اور یہ بھی فرمایا کہ پھر دعا بھی ہو گئی، دعا بھی نکلی، تو جو لوگ مجلس میں شریک تھے اور حضرت کے مزاج، حضرت کے معیار، حضرت کے اصول پر مطلع تھے، انہیں بڑی حیرت ہوئی کہ یہ آج پہلا واقعہ ہے، تو پھر حضرت نے حیرت دیکھ کر فرمایا کہ جیسے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے علوم میں آرزو بشکل دعا سامنے آتی ہے، کہ فلاں شخصیت ایمان قبول کر لے اور اس کے قبول ایمان سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔ فرمایا کہ استاد کے قلب میں بھی تمنا پیدا ہوتی ہے کسی جوہر قابل کو دیکھ کر کہ یہ میرا شاگرد ہو جائے اور میرے نام کو اونچا رکھے اور آپ نے بھائی! دیکھا ہی ہو گا سنا ہو گا، اپنی درس گاہوں کے اندر۔ امام لیث کے متعلق، جو امام مصر ہیں، محققین کا یہ قول ہے کہ سیدنا امام مالک علیہ الرحمہ سے تفقہ کے اندر فقاہت میں، ہزار مراحل آگے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ تمام علماء لکھتے ہیں کہ لیث کو ضائع کر

دیا ان کے شاگردوں نے، ایسے شاگرد نہیں ملے، جو حضرت کے نام اور کام کی حفاظت کرتے۔

ابن تیمیہ کو ابن قیم مل گئے، حافظ ابن حجر عسقلانی کو سخاوی مل گئے، حافظ ابن ہمام کو قاسم بن قطلو بغا اور امیر الحاج مل گئے، ان لوگوں نے ان کے نام کو زندہ رکھا، بلکہ سخاوی نے حافظ کے علوم کو چمکا دیا اور قاسم ابن قطلو بغا نے حافظ ابن ہمام کے علوم کو چمکا دیا، اگر چہ کہیں کہیں حافظ ابن ہمام کے بارے میں شدید تنقید بھی لکھی، ابن ہمام کو کہتے ہیں کہ حنفیہ کے بیرسٹر ہیں، لیکن بعض مسائل میں ابن ہمام نے امام اعظم علیہ الرحمہ کے مقابلے میں ایک دوسری رائے اختیار کی۔

وہ وضو میں وجوب بسم اللہ کے قائل ہیں اور بڑا زور لگایا، بڑا زور لگایا فتح القدیر میں ابن الھمام نے، قاسم ابن قطلو بغا نے وہیں پر لکھا کہ ہمارے استاد کے تفردات قابل قبول نہیں، یہ لکھ دیا اور بڑی معرکے کی بات لکھ دی کہ ہمارے استاد کے تفردات قابل قبول نہیں ہیں، مگر اس کے باوجود قاسم بن قطلو بغا نے نام اونچا کر دیا اور واقعہ یہ ہے کہ ابن الھمام صوفی تھے اور مصر کی ایک خانقاہ کے مجاور تھے اور خانقاہ سے جو آمدنی ہوتی تھی، اسی کو خرچ کرتے تھے اور تلامذہ بڑے نامور موجود تھے، مگر حافظ ابن الہمام نے جانشین کی حیثیت سے قاسم بن قطلو بغا کا انتخاب کیا تھا، معلوم ہوا قدیم دور میں اہل علم اور اہل خانقاہ جانشین کے انتخاب میں بے حد محتاط تھے، حدیث میں ہے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة" (الجامع الصحیح للبخاري، کتاب العلم، باب فضل العلم، رقم الحدیث: 59)

جب امور نااہلوں کو سپرد کیے جانے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ سیدنا الشافعی الامام علیہ الرحمۃ نے اپنے جانشین کے انتخاب میں جو احتیاط برتی وہ بھی آپ حضرات کے علم میں ہوگی، انتہائی زبردست حیرت انگیز واقعہ ہے، بے حد احتیاط فرماتے تھے۔

بہر حال میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ شاگردوں نے علوم چمکا دیے، شخصیتیں چمکا دیں، حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ نے سیدنا الحاج امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو متعارف کرا دیا تو استاد کے قلب میں آرزو پیدا ہوتی ہے جو ہر قابل کو دیکھ کر کہ یہ ہمارا شاگرد ہو جائے اور ہمارے علوم کی اشاعت کا ذریعہ بنے اور اس میں بھی اخلاص ہوتا ہے کہ میرے فیوض قیامت تک باقی رہیں گے اور میرے لیے وسیلۂ نجات ہوگا۔ اور پھر حضرت نے فرمایا کہ مرشد کے قلب میں تمنا پیدا ہوتی ہے کہ فلاں شخص مجھ سے تعلق بیعت کا قائم کر لے اور یہ میرے لیے سرمایۂ آخرت ہوگا، یہ تھی حضرت سید صاحب کی شخصیت، ان کے علوم تو تھے۔

یہاں پشاور میں جمعیت علماء کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس کی صدارت کر

رہے تھے، سید صاحب بھی مدعو تھے، رات کو علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کسی ضرورت سے باہر نکلے ہیں، تو دیکھا کہ سید صاحب زمین پر سو رہے ہیں، حالاں کہ سید صاحب کی علمی شہرت ہو چکی تھی اور ایک وقار علمی ان کا قائم ہو چکا تھا، علامہ کشمیری اتنے متاثر ہوئے سید صاحب کی تواضع دیکھ کر، بار بار تذکرہ کرتے تھے کہ بھائی! تواضع ہو تو ایسی ہونی چاہیے کہ اتنا نامور، اتنا بڑا دانش ور، لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بغیر کسی امتیاز کے زمین پر پڑے سو رہے تھے۔

یہی سید صاحب، جن کا میں تذکرہ کر رہا ہوں، ندوہ میں جب ان کو نور الایضاح پڑھانے کے لیے دی گئی اور سید صاحب سبق پڑھانے کے لیے بیٹھے، طلبہ اشکال کر کر کے سید صاحب کو پریشان کر دیتے تھے، اعتراض کر کے، نکتہ چینی کر کے، طرح طرح کے سوالات کر کے، یہاں تک کہ سید صاحب جب طلبہ کو مطمئن نہ کر پاتے تھے تو درس گاہ میں طلبہ کے سامنے بے اختیار رو دیتے تھے۔

بھلا بتاؤ تو سہی! کیا سید صاحب کو اس وقت اس کا احساس تھا کہ آج جو نور الایضاح پڑھانے میں طلبہ کے سامنے رو رہا ہے آنے والی کل میں اس کی موت کے اوپر دنیائے علم روئے گی؟ سید صاحب کو اس کا احساس نہیں تھا، تو بھائی طالب العلم تو ہم ہیں، تمام دنیا آرام کرے گی، مگر مدرس کو چین نہیں ہے، اسے رات کو بھی بیٹھ کر مطالعہ کرنا ہے، اسے درس گاہ کے اندر پہنچنا ہے تو یہ تصور لے کر کہ اکھاڑے کے اندر اتر رہا ہوں، ایک حریف میں ہوں، دوسرے مقابل طلبہ ہیں اور اتنا اہتمام مطالعہ کا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزاروی نے، جب دار العلوم میں وہ مدرس تھے، دریافت کیا کہ حضرت! صبح فجر کے بعد تلاوت قرآن کا التزام ہے، اہتمام ہے اور پہلے ہی گھنٹے میں، دار العلوم میں ''ملا حسن'' آج تلاوت نہیں کر سکا، اپنے التزام کو پورا کروں، تلاوت کر لوں؟ یا ملا حسن کا مطالعہ کروں؟ سیدنا شیخ الہند علیہ الرحمہ نے بے تکلف اور بلا تاخیر فرمایا: مولوی صاحب! ملا حسن کا مطالعہ کیجیے، تلاوت قرآن چھوڑ دیجیے، درس گاہ میں بغیر مطالعہ کے نہ جایئے۔

تو ہم اگر مطالعہ نہ کریں ہمارا کام نہ چلے، پڑ کر سو جائیں اور مطالعہ چھوڑ دیں، صبح کو درس گاہ کے اندر یا خیانت کریں گے ادائیگی حق کے اندر اور اگر خیانت نہیں تو پھر جہالت کا مظاہرہ کریں گے تو بھائی! آپ کہاں طالب علم ہوئے؟ صرف اتنا فرق ہے ہمارے اور آپ میں کہ ہمیں ذرا طالب علمی کرتے ہوئے مدت دراز ہو گئی، اس وقت غالباً چالیس سال کے قریب کا عرصہ ہوتا ہے مدرسی کرتے ہوئے، تو کچھ تجربات حاصل ہو گئے، وہ تجربات آپ کے سامنے بیان کرنے ہیں۔ (جاری)

……✦……

حج بیت اللہ

محدث عصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یوں تو ہر عبادت کے لیے قدم قدم پر رحمت وعنایت اور اجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں۔ نماز و زکاۃ اور روزہ واعتکاف وغیرہ سب پر جنت اور جنت کی بیش بہا نعمتوں کے وعدے ہیں، لیکن تمام عبادات میں ’’حج بیت اللہ‘‘ کی شان سب سے نرالی ہے۔ حج گویا دبستانِ عبدیت کا آخری نصاب ہے جس کی تکمیل پر بارگاہِ عالی سے رضا وخوشنودی کی آخری سند عطا کی جاتی ہے: کتنے عجیب انداز سے فرمایا گیا ہے: ’’والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة۔‘‘ (مشکوۃ، کتاب المناسک، الفصل الاول، ص:۲۲۱، ط: قدیمی)

’’اور حج مبرور کا بدلہ تو بس جنت ہی ہے۔‘‘

گویا حج مبرور ایک ایسی عالی شان عبادت ہے کہ بجز جنت کے اس کا اور کیا بدلہ ہوسکتا ہے! حج مبرور جس کا بدلہ صرف جنت ہی ہوسکتی ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ اس میں گناہ کی آلودگی اور ریا کاری کا شائبہ نہ ہو، یعنی تمام سفر حج میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے آدمی بچے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حج کیا جائے، بلاشبہ اس شرط کا نبھانا بھی بہت مشکل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل ہی سے ہی مشکل مرحلہ طے ہوسکتا ہے۔

عشق ومحبت کا سفر

حج کی ظاہری صورت بھی عجیب وغریب ہے اور اس میں غضب کی جاذبیت ہے، قدم قدم پر عشق ومحبت کی پُربہار منزلیں طے ہوتی ہیں، سب سے بڑے دربار کی حاضری کا قصد ہے، دل میں دیارِ محبوب کی آرزوئیں مچلتی ہیں، سفر طویل ہے، حلال وطیب توشۂ سفر کا اہتمام کیا جارہا ہے، نیک اور صالح رفیق کی تلاش ہورہی ہے، چشم پرنم کے ساتھ عزیز واقارب سے رخصت ہورہے ہیں، لین دین کا حساب باق کیا جارہا ہے، حق حقوق کی معافی طلب کی جارہی ہے، کوشش یہ ہے کہ اس دربار میں حاضر ہوں تو کسی کا معمولی حق بھی

گردن پر نہ ہو، لیجئے! روانگی کا وقت آیا، غسل کر لیجئے اور دو سفید نئی چادریں پہن لیجئے، گویا انسان خود اپنے ارادہ واختیار سے سفر آخرت پر روانہ ہورہا ہے، پہلے غسل سے بدن کے ظاہری میل کچیل کو صاف کرتا ہے اور پھر کفن کی چادریں اوڑھ کر دوگانہ احرام ادا کرتا ہے، اس طرح گویا توبہ وانابت سے دل کے میل کچیل سے اپنے باطن کو پاک صاف کرتا ہے اور ظاہری و باطنی نظافت کے ساتھ شاہی دربار میں نذرانۂ عشق ومحبت پیش کرنے کا عہد کرلیتا ہے۔ ارحم الراحمین نے دعوت دے کر بلایا ہے اور شاہی دربار سے بلاوا آیا ہے، یہ فوراً بیت اللہ الحرام کے شوقِ دیدار میں اس دعوت پر ''لبیک اَللّٰھم لبیک'' (میں حاضر ہوں، اے میرے اللہ! میں حاضر ہوں) کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مستانہ وار سوئے منزل روانہ ہوجاتا ہے۔

یہ اس والہانہ وعاشقانہ عبادت کی ابتدا ہے۔ زیب وزینت کے تمام مظاہر ختم، راحت وآسائش کے تمام تقاضے فراموش، نہ سر پر ٹوپی، نہ پاؤں میں ڈھب کا جوتا، نہ بدن پر ڈھنگ کا کپڑا، دیوانہ وار رواں دواں منازل عشق طے کرتا ہوا جارہا ہے، دیارِ محبوب کی دھن میں بادہ پیمائی ہورہی ہے۔

در بیابانہا ز شوقِ کعبہ خواہی زد قدم * سرزنشہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور

پہنچتے ہی مرکز تجلیات (کعبہ) پر نظر پڑی تو بے ساختہ دارِ محبوب کا طواف کرتا ہے، بار بار چکر لگاتا ہے، حجرِ اسود جو ''یمین اللہ فی الأرض'' کی حیثیت رکھتا ہے اس کو چومتا ہے، آنکھوں سے لگاتا ہے، ملتزم سے چمٹتا ہے، زار وقطار روتا ہے، گویا زبانِ حال سے کہتا ہے: نازم بچشمِ خود کہ روئے تو دیدہ است رفتم بپائے خویش کہ بکویت رسیدہ است ہزار بار بوسہ زنم من دستِ خویش را کہ بدامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است اس بے خود عاشق زار کو جو قلبِ تپاں اور جگر سوزاں لے کر آیا تھا، پہلی مہمانی کے طور پر آبِ زمزم کا تحفۂ شیریں پیش کیا جاتا ہے، جس سے تسکین قلب بھی ہوگی اور جگر کی پیاس بھی بجھے گی اور حکم ہوتا ہے کہ جتنا پانی پیا جاسکے پی لے، خوب دل ٹھنڈا کرلے، کوئی کسر نہ چھوڑے۔ یہاں سے فارغ ہوکر صفا ومروہ کے درمیان چکر لگاتا ہے، پھر منیٰ پہنچتا ہے، پھر اس کے آگے عرفات کا رخ کرتا ہے۔ آج وادیِ عرفات سچ مچ ہنگامۂ محشر کا منظر پیش کررہی ہے، حیرت انگیز اجتماع ہے، رنگارنگ مختلف شکلیں، مختلف زبانیں، بوقلموں مناظر۔ یہ سب رب العالمین کے دربارِ قدس کے مہمان ہیں۔ یہ شاہی دربار میں عبدیت وبندگی، ضعف وبے کسی، عجز ودرماندگی اور ذلت ومسکنت کا نذرانہ پیش کریں گے اور رضا ومغفرت، فضل واحسان اور انعام واکرام کے گوہرِ مقصود سے جھولیاں بھر کرلے جائیں گے۔ اپنے لیے، اپنے اعزہ واقارب اور دوست احباب کے لیے آج جو کچھ مانگیں گے نقد ملے گا۔ زوال ہوا تو ہر چہار طرف سے آہ وبکا کا شور برپا ہوا، اس کی آواز بھی اس حیرت انگیز طوفانِ گریہ وزاری میں ڈوب گئی، شام تک کا سارا وقت اسی عالم تحیر میں گزارتا ہے، کبھی

خوب رو رو کر مانگتا ہے، کبھی "لبيك اللّٰهم لبيك" کا نعرہ لگاتا ہے، کبھی تکبیر کی گونج سے زمزمہ آراء ہوتا، کبھی تہلیل سے نغمہ سرا ہوتا ہے، کبھی "لا إله إلا الله وحدهٗ لا شريك لهٗ" سے وحدانیت و ربوبیت کی صدائیں بلند کرتا ہے، عابد و معبود کا یہ تعلق کتنا دلربا ہے؟ اور بندگی و سرافگندگی کا یہ منظر کس قدر حیرت افزا ہے؟

آفتاب غروب ہوا اور اس دشت پیمانے بوریا بستر باندھ مزدلفہ کا رخ کیا، شب بیداری وہاں ہوگی، مغرب وعشاء کی نماز وہاں پڑھی جائے گی۔ اظہارِ آدابِ بندگی میں کچھ کسر باقی رہ گئی ہے تو وہاں نکالی جائے گی، کبھی رکوع وسجود ہے، کبھی وقوف وقیام ہے، کبھی تہلیل وتکبیر ہے، کبھی تسبیح وتلبیہ ہے۔ گریہ وزاری، دعاومناجات اور تضرع وابتہال کا نصاب پورا ہوا تو کامیابی وکامرانی کی نعمت سے سرشار ہوکر وہاں سے منیٰ کو چلا۔ دشمنِ انسانیت، عدوّ مبین، راندۂ بارگاہ، ابلیس لعین کی سرکوبی کے لیے جمرہ کی رمی کی۔ خلیل وذبیح (علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام) کی سنتِ قربانی کی یاد تازہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی دی اور رضائے محبوب کے لیے جان ومال کے ایثار وقربانی کا عہد تازہ کرلیا، وہاں سے بارگاہِ قدس کے مرکز انوار کی زیارت کو چلا اور طوافِ کعبہ کے انوار وبرکات سے دیدہ ودل کی تسکین کا سامان کیا۔

الغرض اس عاشقانہ ووالہانہ عبادت میں دیوانہ وار ایثار وقربانی اور عبدیت وفنائیت کا ریکارڈ قائم کرلیتا ہے اور تجلیاتِ ربانی کے انوروبرکات سے سراپا نور بن جاتا ہے اور رحمت ورضوان کے تحفوں سے مالا مال ہوکر اور استحقاقِ جنت کی آخری سند لے کر اپنے وطن کو واپس لوٹتا ہے۔ اس طرح بندہ بندگی کا ثبوت دے کر جنت ورضوان الٰہی کی نعمتوں سے سرفرازی کے تمغے وصول کرلیتا ہے: "والحج المبرور ليس لهٗ جزاء إلا الجنة"، کے آخری انعام سے مطمئن ہوجاتا ہے۔ دیکھئے! کس انداز سے عشق ومحبت کی منزلیں طے کی گئیں اور کس کس طرح شاباشوں سے نوازا گیا!!! یہ اس عاشقانہ وعارفانہ عبادت کا بہت ہی مختصر سا نقشہ ہے۔

سفرِ عشق میں امتحان

ظاہر ہے کہ مقصد بہت ہی اعلیٰ ہے، اس لیے کبھی کبھی اس مقصد کے حصول کے لیے امتحان بھی ناگزیر ہوتا ہے، مدتوں کے جمے ہوئے تہ بر تہ زنگ وغبار کو دور کرنے کے لیے شدید تنقیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ کبھی جان پر امتحان آتا ہے، کبھی مال پر، کبھی رفقاء سے تنہا کرا کر تڑپایا جاتا ہے، کبھی پٹوا کر رُلایا جاتا ہے، کبھی ہر آسائش وراحت چھین کر آخرت کی آسائش وراحت کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ بہرحال یہ راز سربستہ کسی کے بس کی بات نہیں، شانِ ربوبیت کے کریمانہ کرشمے ہیں، شانِ صمدیت کا ظہور ہے اور ارحم

الراحمین کی رحمت خفیہ کے شیون ہیں۔ رحمت الٰہی کا ظہور کبھی بصورتِ رحمت ہوتا ہے، کبھی بشکل زحمت، کسی کو چوں و چرا کی گنجائش نہیں۔ یہ وہ مقام ہے کہ عارفین جو دریائے معرفت کے غوطہ زن ہیں وہ بھی سرِ حیرت جھکا کر خاموش ہیں۔ صبر آزما امتحان لیا جاتا ہے، کبھی جوع وخوف سے، کبھی انفس واموال زیر امتحان ہوتے ہیں، رضا بالقضاء کے لیے مجاہدہ کرایا جاتا ہے اور مہربانی اور شاباش کی بارش ہوتی اور آخر میں جنت کی سند مل جاتی ہے اور ''والحج المبرور لیس لہٗ جزاء الا الجنۃ'' کا تحفہ عطا کیا جاتا ہے، بلاشبہ عبدیت کا ظہور اور شانِ عشق ومحبت کا مظاہرہ جس طرح حج بیت اللہ الحرام میں ہوتا ہے کسی اور عبادت میں نہیں ہوتا۔ امسال سالِ گزشتہ یا گزشتہ سالوں کی بہ نسبت بے حد ہجوم تھا اور تقریباً نصف ملین (۵۰۰۰۰۰) خدا کی مخلوق زیادہ پہنچ گئی تھی۔ محدود مقامات اور محدود انتظامات میں غیر محدود مخلوق کا انتظام درہم برہم ہوگیا تھا، قیام وطعام کی دشواریاں تھیں، ٹریفک اور مواصلات کا نظام تقریباً بس سے باہر تھا۔ ایک ترکی قوم کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی جن کی دیوہیکل بسوں نے تمام حجاج کرام کو بے بس بنادیا تھا، سڑکیں بند، راستے مشغول، شاہ فیصل کے عہد مبارک کے شاہانہ انتظامات نے بھی عجز وتقصیر کا اعتراف کیا۔ اگرچہ قدم قدم پر حق تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کرم فرما تھی اور شاہ فیصل کے عہد کے برکات بالکل ظاہر وباہر تھے، لیکن پھر بھی حکومتوں کا حج پر کنٹرول کر کے حجاج کے کوٹے مقرر کر کے تحدید کرنے کی مصلحتیں تکوینی طرز پر واضح ہوگئیں، اس سلسلہ میں چند باتیں اور گزارشات ضروری خیال کرتا ہوں۔

حجاج کی لیے چند ضروری ہدایات

(۱) عورتوں اور مردوں کا ناگفتہ بہ اختلاط طوافوں میں، نمازوں میں اور سلام کی حاضری میں غیر شرعی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ عورتوں کے طواف کے لیے رات یا دن میں کوئی وقت مخصوص کرلیا جائے اور اس طرح سلام کی حاضری کے لیے بھی وقت مخصوص ہو، ان اوقات میں مردوں کو طواف یا حاضری سے روکا جائے۔ (۲) نہ تو عورتوں پر جماعت کی پابندی ہے، نہ مسجد کی حاضری کی فضلیت ہے، نہ نماز جمعہ ان پر فرض ہے، اس لیے عورتیں گھر میں نماز پڑھا کریں اور اسی طرح جمعہ میں عورتوں کی حاضری روکی جائے۔ موجودہ صورت حال نہ شرعاً درست ہے، نہ عقلاً قابل برداشت ہے۔

(۳) رمی جمرات کے لیے عورتیں رات کو جایا کریں جس طرح بوڑھوں اور مریضوں کے لیے بھی یہی وقت مناسب ہے، بلاشبہ بغیر عذر کے یہ خلافِ سنت ہے، لیکن موجودہ صورت حال میں ان شاء اللہ! کراہت بھی ختم ہوجائے گی۔

(۴) تمام حضرات جو حج بیت اللہ الحرام کا ارادہ کریں تمام ضروری مسائل یاد کر کے آئیں۔فرائض وواجبات کا اہتمام بہت ضروری ہے۔بسا اوقات یہ دیکھا گیا کہ لوگ فرائض وواجبات میں تقصیر کرتے ہیں اور فضائل ومستحبات کا اہتمام ہوتا ہے۔

اس وقت جو صورتِ حال ہے قانونی وفقہی احکام کے پیش نظر تو یہ امید رکھنا بہت مشکل ہے کہ یہ عبادت صحیح ادا ہوئی یا یہ حج مبرور ہوگا۔صحیح طواف کیسے ہو؟ اور اس میں کیا کیا باریکیاں ہیں؟ اگر ایک قدم طواف کا ایسا ادا ہو کہ بیت اللہ کی طرف سینہ ہوجائے تو سارا طواف بیکار ہوگیا، اگر شروع کرنے میں حجر اسود سے تقدم ہوگیا تو طواف میں نقصان آجاتا ہے، اگر ایک انچ ہٹ کر طواف شروع کیا تو سرے سے طواف ہوا ہی نہیں، خاص کر ازدہام وہجوم میں صحیح طواف کرنا بے حد دشوار مرحلہ ہے، عورتیں مردوں کے درمیان کھڑی ہوجاتی ہیں، ایک عورت اگر صف میں مردوں کے درمیان کھڑی ہوگئی تو تین مردوں کی نماز غارت ہوگئی، جو شخص دائیں ہو جو بائیں ہو، جو اس سیدھ میں پیچھے ہو۔اگر ایک ہزار عورتیں اس طرح صفوں کے درمیان ہیں تو تین ہزار مردوں کی نماز فاسد ہوگئی۔دورانِ سفر بہت سی نمازیں قضا ہوجاتی ہیں، اگر فرض نماز قضا ہوگئی تو حج مبرور کی توقع رکھنا مشکل ہے۔الغرض اس طرح دسیوں مسائل ہیں کہ جن سے عوام تو کیا علماء بھی غافل ہیں۔رمی جمرات میں تو معمولی عذر پر دوسروں کو وکیل بنایا جاتا ہے، اس طرح وہ توکیل صحیح نہیں ہوتی، دم لازم آجاتا ہے، غور کرنے سے محسوس ہوا کہ جہاں تک مسائل واحکام کا تعلق ہے مشکل سے یہ کہا جائے گا کہ یہ حج صحیح ادا ہوگیا، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کاملہ کے پیش نظر کوئی بعید نہیں کہ اگر نیت صحیح ہو اور جذبہ سچا ہو تو تمام کوتاہیاں اور قانونی فروگزاشتیں سب معاف ہوں اور ارحم الراحمین کی رحمت عامہ سے یہی امید ہے کہ اپنے گنہگار بندوں کی کوتاہیوں سے درگزر فرما کر اپنی رحمت ونعمت سے نوازے اور نہ معلوم کس کی کون سی ادا قبول ہوجائے اور کیا کچھ خزانہ رحمت سے ملے اور بلاشبہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کاملہ کی موسلا دھار بارش میں کوئی بدنصیب ہی محروم رہے گا، ہوسکتا ہے کہ چند مقبولینِ بارگاہ کے طفیل سب کا حج قبول ہو، اس کی شان کریمی کے سامنے سب کچھ آسان ہے۔کاش! اگر حق تعالیٰ کی اتنی مخلوق قانون کے مطابق جذباتِ صادقہ سے والہانہ انداز سے یہ فریضہ ادا کرتی تو امت کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور تمام عالم میں ان نمائندگانِ بارگاہِ قدس کا فیض جاری ہوتا جس حریمِ قدس کو ان شاندار کلمات سے وحی ربانی میں یاد کیا ہو: "إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا"۔ (آل عمران:۹۷)

ان آیاتِ بینات اور ان برکات وتجلیات کا کیا ٹھکانا؟ بہر حال کہنا یہ ہے کہ کوشش کی جائے کہ قانون

کی رو سے بھی صحیح حج ہو اور نیت وجذبہ بھی سچا ہو اور قدم قدم پر تقصیر کا احساس ہو اور یہ تصور مستمر قائم ہو کہ اس حریمِ قدس میں حاضری کے آداب کی اہلیت کہاں؟ ہم جیسے ناپاکوں کو اس سرزمین میں حاضری کی دعوت دی گئی اور پہنچ گئے، یہ محض حق تعالیٰ شانہٗ کا عظیم احسان ہے کہ اس مقدس زمین اور بقعۂ نور میں سراپا ظلمات والے کو جگہ عطا فرمادی۔ توقع ہے کہ اس احساس سے بارگاہِ قدس میں شرف قبولیت نصیب ہو۔ یہ جو کچھ بیت اللہ کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ بہت سطحی حقائق کے درجہ میں بات عرض کی گئی، ورنہ جو حقائق واسرار عارفین وکبار صوفیاء کرام: شیخ اکبرؒ، امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ، حضرت شیخ سید آدم بنوریؒ، شاہ عبدالعزیزؒ اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ جمیعاً نے بیان فرمائے ہیں وہ ''بینات'' کے دائرہ بیان سے بالاتر ہیں۔

راقم الحروف نے اپنے رسالہ ''بغیۃ الأریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب'' کے آخر میں کچھ تھوڑا سا حصہ بیان کیا ہے۔ بہرحال کعبۃ اللہ اس مادی کائنات میں شعائر اللہ میں داخل ہے۔ نماز میں اگر حق تعالیٰ شانہٗ سے مناجات وہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے تو حج میں حق تعالیٰ کے گھر میں مہمانی کا شرف ومجد حاصل ہے۔ جب ہم کلامی کی عظمت بیت الحرام میں نصیب ہو اور دونوں عظمتیں جمع ہو جائیں تو جو کچھ بھی اس کا درجہ ہوگا تصور وخیال سے بالاتر ہے: ''نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز'' یہ وہ مقام ہے کہ انتہائی تعظیم وادب کی ضرورت ہے، لیکن آج کل ہماری غفلت وجہالت سے جو صورت حال ہے وہ ظاہر ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہماری تمام عبادات کی صرف صورت رہ گئی روح نکل گئی ہے۔ تمام عبادات بے جان لاشے ہیں، اگر ان میں جان ہوتی تو آج امت محمدیہ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ حق تعالیٰ کی رحمت ہے اور اسلام کا حکیمانہ نظام ہے کہ مساجد بھی بیوت اللہ ہیں: ''وأن المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ أحدا۔'' ''مساجد صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں، ان میں صرف اللہ ہی کی عبادت ہونی چاہیے۔''

آخری سب سے بڑا مرکزی گھر وہ مسجد حرام وہ بیت الحرام ہے، جس سے عالم میں بجز اس مقام کے جہاں حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں کوئی مقدس قطعہ نہیں، جہاں پر حق تعالیٰ کی طرف سے انوار کی موسلا دھار بارش برستی ہے، فرشتے طواف کے لیے آسمانوں سے اترتے ہیں۔ حق تعالیٰ مسلمانوں اور حجاج کرام کو توفیق نصیب فرمائے کہ اس مقام کی صحیح معرفت نصیب ہو، بقدر طاقت بشری حق ادا کرسکیں۔

……◆……

قربانی کے احکام ومسائل

مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ
مفتی اعظم پاکستان

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے عشرۂ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں، ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔‘‘ (ترمذی، ابن ماجہ)

قرآن مجید میں سورۂ ’’والفجر‘‘ میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اور وہ دس راتیں جمہور کے قول کے مطابق یہی عشرۂ ذی الحجہ کی راتیں ہیں۔ خصوصاً نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔ تکبیر تشریق ’’أللّٰہ أکبر أللّٰہ أکبر لا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر أللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد‘‘ نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد بآوازِ بلند ایک مرتبہ مذکورہ تکبیر کہنا واجب ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت اور تنہا نماز پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اس طرح مرد وعورت دونوں پر واجب ہے، البتہ عورت بآوازِ بلند تکبیر نہ کہے، آہستہ سے کہے۔ (شامی)

عید الاضحیٰ کے دن مذکورہ ذیل امور مسنون ہیں:

صبح سویرے اُٹھنا، غسل ومسواک کرنا، پاک وصاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا، خوشبو لگانا، نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عید گاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں بآوازِ بلند تکبیر کہنا۔

نمازِ عید

نمازِ عید دو رکعت ہیں۔ نماز عید اور دیگر نمازوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے اندر

تین تین تکبیریں زائد ہیں۔پہلی رکعت میں "سبحانك اللّٰهم" پڑھنے کے بعد قراءت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے۔ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے ہیں۔پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں۔دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں۔

☆......اگر دورانِ نماز امام یا کوئی مقتدی عید کی زائد تکبیریں یا ترتیب بھول جائے تو ازدہام کی وجہ سے نماز درست ہوگی، سجدۂ سہو بھی ضروری نہیں۔

☆......اگر کوئی نماز میں تاخیر سے پہنچا اور ایک رکعت نکل گئی تو فوت شدہ رکعت کو پہلی رکعت کی ترتیب کے مطابق قضاء کرے گا، یعنی ثناء "سبحانك اللّٰهم" کے بعد تین زائد تکبیریں کہے گا اور آگے ترتیب کے مطابق رکعت پوری کرے گا۔

نمازِ عید کے بعد خطبہ سننا مسنون ہے۔خطبہ سننے کا اہتمام کرنا چاہیے،خطبہ سے پہلے اٹھنا درست نہیں ہے

فضائل قربانی

قربانی کرنا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد ہر سال قربانی فرمائی، کسی سال ترک نہیں فرمائی۔جس عمل کو حضور ﷺ نے لگاتار کیا اور کسی سال بھی نہ چھوڑا ہو تو یہ اُس عمل کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔علاوہ ازیں آپ ﷺ نے قربانی نہ کرنے والوں پر وعید ارشاد فرمائی۔حدیث پاک میں بہت سی وعیدیں ملتی ہیں، مثلاً: آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ جو قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔علاوہ ازیں خود قرآن میں بعض آیات سے بھی قربانی کا وجوب ثابت ہے۔جو لوگ حدیث پاک کے مخالف ہیں اور اس کو حجت نہیں مانتے، وہ قربانی کا انکار کرتے ہیں، ان سے جو لوگ متأثر ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پیسے دے دیئے جائیں یا یتیم خانہ میں رقم دے دی جائے، یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ عمل کی ایک تو صورت ہوتی ہے، دوسری حقیقت ہے، قربانی کی صورت یہی ضروری ہے، اس کی بڑی مصلحتیں ہیں، اس کی حقیقت اخلاص ہے۔آیت قرآنی سے بھی یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔قربانی کی بڑی فضیلتیں ہیں مسند احمد کی روایت میں ایک حدیث پاک ہے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض ایک نیکی ہے۔اون کے متعلق فرمایا: اس کے

ایک ایک بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دن اس سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں، قیامت کے دن قربانی کا جانور سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ لایا جائے گا اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی سند لے لیتا ہے، اس لیے تم قربانی خوش دلی سے کرو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: قربانی سے زیادہ کوئی دوسرا عمل نہیں، الا یہ کہ رشتہ داری کا پاس کیا جائے۔ (طبرانی)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ t سے ارشاد فرمایا کہ: تم اپنی قربانی ذبح ہوتے وقت موجود رہو، کیونکہ پہلا قطرہ خون گرنے سے پہلے انسان کی مغفرت ہوجاتی ہے۔

قربانی کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں، اس لیے اہل اسلام سے درخواست ہے کہ اس عبادت کو ہرگز ترک نہ کریں جو اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ اور اس سلسلہ میں جن شرائط و آداب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اُنہیں اپنے سامنے رکھیں اور قربانی کا جانور خوب دیکھ بھال کر خریدیں۔ قربانی سے متعلق مسائل آئندہ سطور میں درج کیے جا رہے ہیں:

مسائل قربانی

مسئلہ نمبر: ۱...... جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے، اُس پر قربانی بھی واجب ہے۔ ☆...... یعنی قربانی کے تین ایام (۱۰، ۱۱، ۱۲/ ذو الحجہ) کے دوران اپنی ضرورت سے زائد اتنا مال یا اشیا جمع ہوجائیں کہ جن کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو تو اس پر قربانی لازم ہے، مثلاً: رہائشی مکان کے علاوہ کوئی مکان ہو، خواہ تجارت کے لیے ہو یا نہ ہو، اسی طرح ضروری سواری کے طور پر استعمال ہونے والی گاڑی کے علاوہ گاڑی ہو تو ایسے شخص پر بھی قربانی لازم ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲...... مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۳...... قربانی کا وقت دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک ہے، بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہوجانے کے بعد درست نہیں۔ قربانی کا جانور دن کو ذبح کرنا افضل ہے، اگرچہ رات کو بھی ذبح کر سکتے ہیں، لیکن افضل بقرہ عید کا دن، پھر گیارہویں اور پھر بارہویں تاریخ ہے۔

مسئلہ نمبر: ۴...... شہر اور قصبوں میں رہنے والوں کے لیے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لینے سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرنا درست نہیں ہے۔ دیہات اور گاؤں والے صبح صادق کے بعد فجر کی نماز سے پہلے بھی قربانی کا

جانور ذبح کر سکتے ہیں۔ اگر شہری اپنا جانور قربانی کے لیے دیہات میں بھیج دے تو وہاں اس کی قربانی بھی نمازِ عید سے قبل درست ہے اور ذبح کرانے کے بعد اس کا گوشت منگوا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۵......اگر مسافر مالدار ہو اور کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرے، یا بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے، یا کسی نادار آدمی کے پاس بارہویں تاریخ کو غروبِ شمس سے پہلے اتنا مال آجائے کہ صاحب نصاب ہوجائے تو ان تمام صورتوں میں اس پر قربانی واجب ہوجاتی ہے۔

☆......نیز اگر مسافر مالدار ہو، دورانِ سفر قربانی کے لیے رقم بھی ہو اور وہ پندرہ دن سے کم عرصہ کے لیے رہائش پذیر ہونے کے باوجود بآسانی قربانی کرسکتا ہو تو قربانی کر لینا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر:۶......قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ اچھا ہے، اگر خود ذبح نہ کرسکتا ہو تو کسی اور سے بھی ذبح کرا سکتا ہے۔

☆......بعض لوگ قصاب سے ذبح کراتے وقت ابتداءً خود بھی چھری پر ہاتھ رکھ لیا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ قصاب اور قربانی والے دونوں مستقل طور پر تکبیر پڑھیں، اگر دونوں میں سے ایک نے نہ پڑھی تو قربانی صحیح نہ ہوگی۔ (شامی، ج:۶،ص:۳۳۴)

مسئلہ نمبر:۷......قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت زبان سے نیت پڑھنا ضروری نہیں، دل میں بھی پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۸......قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اس کو قبلہ رخ لٹائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

"إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفاً وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ، أَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ"۔ اس کے بعد "بسم الله أللّٰه أكبر" کہہ کر ذبح کرے۔ (کذا فی سنن ابی داؤد)

ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: "أللّٰهم تقبّله منّي كما تقبّلت من حبيبك محمد وخليلك إبراهيم عليهما الصلوٰة والسلام"۔

مسئلہ نمبر:۹......قربانی صرف اپنی طرف سے کرنا واجب ہے، اولاد کی طرف سے نہیں، اولاد چاہے بالغ ہو یا نابالغ، مالدار ہو یا غیر مالدار۔

مسئلہ نمبر:۱۰......درج ذیل جانوروں کی قربانی ہوسکتی ہے: اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا۔ بکرا، بکری، بھیڑ اور دُنبہ کے علاوہ باقی جانوروں میں سات آدمی شریک ہو سکتے

ہیں، بشرطیکہ کسی شریک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب قربانی کی نیت سے شریک ہوں یا عقیقہ کی نیت سے، صرف گوشت کی نیت سے شریک نہ ہوں۔

☆......گائے، بھینس اور اُونٹ وغیرہ میں سات سے کم افراد بھی شریک ہو سکتے ہیں، اس طور پر کہ مثلاً چار آدمی ہوں تو تین افراد کے دو دو حصے اور ایک کا ایک حصہ ہو جائے۔ نیز اگر پورے جانور کو چار حصوں میں تقسیم کرلیں، یہ بھی درست ہے۔ یا یہ کہ دو آدمی موجود ہوں تو نصف نصف بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔

☆......اسی طرح اگر کئی افراد مل کر ایک حصہ ایصالِ ثواب کے طور پر کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے، البتہ ضروری ہے کہ سارے شرکا اپنی اپنی رقم جمع کر کے ایک شریک کو ہبہ کر دیں اور وہ اپنی طرف سے قربانی کر دے، اس طرح قربانی کا حصہ ایک کی طرف سے ہو جائے گا اور ثواب سب کو ملے گا۔

مسئلہ نمبر: ۱۱......اگر قربانی کا جانور اس نیت سے خریدا کہ بعد میں کوئی مل گیا تو شریک کرلوں گا اور بعد میں کسی اور کو قربانی یا عقیقہ کی نیت سے شریک کیا تو قربانی درست ہے اور اگر خریدتے وقت کسی اور کو شریک کرنے کی نیت نہ تھی، بلکہ پورا جانور اپنی طرف سے قربانی کرنے کی نیت سے خریدا تھا تو اب اگر شریک کرنے والا غریب ہے تو کسی اور کو شریک نہیں کر سکتا اور اگر مالدار ہے تو شریک کر سکتا ہے، البتہ بہتر نہیں۔

☆......ایک جانور قربانی کرنے کے لیے خریدا، اگر اس کے بدلے دوسرا حیوان دینا چاہے تو جائز ہے، مگر یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دوسرا حیوان کم از کم اسی قیمت کا ہو، اگر اس سے کم قیمت کا ہو تو زائد رقم اپنے پاس رکھنا جائز نہیں، بلکہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ ہاں! اگر زبانی طور پر جانور کو متعین نہ کیا ہو، بلکہ یہ ارادہ کیا ہو کہ اگر اچھی قیمت میں فروخت ہو رہا ہو تو فروخت کر دیں گے۔ اس صورت میں اصل قیمت سے زائد رقم اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۱۲......قربانی کا جانور گم ہوا، اس کے بعد دوسرا خریدا، اگر قربانی کرنے والا امیر ہے تو ان دونوں جانوروں میں سے جس کو چاہے ذبح کرے، جب کہ غریب پر ان دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی۔ وضاحت: اگر کسی آدمی نے قربانی کے لیے جانور خریدا اور خریدنے کے بعد وہ جانور قربانی کرنے سے پہلے گم ہو جائے تو صاحب حیثیت آدمی پر قربانی کے لیے دوسرا جانور خریدنا ضروری ہے، کیونکہ اس پر قربانی شرعاً واجب تھی اور واجب ادا نہیں ہوا، جبکہ فقیر آدمی پر دوسرا جانور خریدنا اور قربانی کرنا لازم نہیں تھا، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور بھی خرید لیا، اب اگر مالدار اور غریب ہر دو کا پہلا گم شدہ جانور مل جائے تو امیر پر صرف شرعی واجب (قربانی) کا ادا کرنا لازم ہے، جس جانور کو ذبح کر دے کافی ہے، جب کہ غریب پر خود سے واجب کردہ جانوروں کی قربانی کرنا لازم ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ امیر آدمی پر

نصاب کی وجہ سے قربانی واجب تھی، اس نے وہ ادا کردی، اس کے حق میں جانور متعین نہیں ہوا تھا، اُسے اختیار ہے کہ جس جانور کو چاہے ذبح کردے، جبکہ غریب آدمی پر قربانی لازم نہیں تھی، غریب نے ازخود جانور خرید کر اپنے پر قربانی کو لازم کرلیا اور جو جانور اس نے خریدا وہ بھی متعین ہو گیا، اب پہلا جانور جو غریب کے حق میں قربانی کے نام سے متعین ہو چکا، اگر وہ گم ہو جائے تو اس کے بدلے دوسری قربانی لازم نہ تھی، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور خرید کر اپنے پر قربانی لازم کرلی، اس بنا پر فقیر آدمی پر دوسری قربانی بھی لازم ہوئی۔ لہٰذا غریب آدمی دونوں جانوروں کی قربانی کرے گا۔ بخلاف مالدار کے کہ اس پر صرف قربانی لازم ہے، جانور متعین نہیں ہے، دونوں جانوروں میں سے کسی ایک کی قربانی کردے تو کافی ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۳...... قربانی کے جانور میں اگر کئی شرکاء ہیں تو گوشت وزن کر کے تقسیم کریں۔

مسئلہ نمبر: ۱۴...... بھیڑ، بکری جب ایک سال کی ہو جائے، گائے، بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا تو اس کی قربانی جائز ہے، اگر اس سے کم ہے تو جائز نہیں۔ ہاں! دنبہ اور بھیڑ (نہ کہ بکرا) اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

☆...... موجودہ دور میں جانوروں کو تول کر (وزن کر کے) خرید و فروخت کرنا بھی جائز ہے، ایسی قربانی بلاشبہ درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۵...... قربانی کا جانور اگر اندھا ہو، یا ایک آنکھ کی ایک تہائی یا اس سے زائد روشنی جاتی رہی ہو، یا ایک کان ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو، یا دُم ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

☆...... گائے اور بھینس کے دو تھن یا بکری کا ایک تھن خشک ہو چکا ہو یا پیدائشی طور پر نہ ہوں تو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۱۶...... اسی طرح اگر جانور ایک پاؤں سے لنگڑا ہے، یعنی تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھے پاؤں کا سہارا نہیں لیتا تو ایسے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ چوتھے پاؤں سے سہارا لیتا ہے، لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۷...... قربانی کا جانور خوب موٹا تازہ ہونا چاہیے، اگر جانور اس قدر کمزور ہو کہ ہڈیوں میں گودا بالکل نہ رہا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

☆...... بعض لوگ موٹا تازہ جانور محض دکھلاوے یا ریا و نمود کے لیے خریدتے ہیں، ایسے لوگ قربانی کے ثواب سے محروم ہوتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ موٹا تازہ جانور تلاش کرتے ہوئے محض ثواب کی نیت کریں۔

مسئلہ نمبر: ۱۸......اگر کسی جانور کے تمام دانت گر گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اگر اکثر دانت باقی ہوں، کچھ گر گئے ہوں تو قربانی جائز ہے۔

☆......اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو اور دانت نہ نکلے ہوں تو بھی قربانی ہوسکتی ہے، تاہم اس سلسلہ میں صرف جانوروں کے عام سوداگروں کی بات معتبر نہیں ہے، بلکہ یقین سے معلوم ہونا ضروری ہے یا یہ کہ خود گھر میں پالا ہوا جانور ہو تو اس کی قربانی کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۹......جس جانور کے پیدائشی کان ہی نہ ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۰......اگر کسی جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ چکے ہوں، اس طور پر کہ دماغ اس سے متأثر ہوا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں اور اگر معمولی ٹوٹے ہوں یا سرے سے سینگ ہی نہ ہوں، جیسے: اونٹ تو بلا کراہت جائز ہے۔

☆......اسی طرح گائے، بکری وغیرہ کے اگر پیدائشی سینگ نہ ہوں تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۱......خارش زدہ جانور کی قربانی جائز ہے، البتہ اگر خارش کی وجہ سے بے حد کمزور ہو گیا ہو تو پھر جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۲۲......اگر قربانی کے جانور میں کوئی عیب پیدا ہوا جس کے ہوتے ہوئے قربانی درست نہ ہو تو مالدار شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوسرا جانور اس کے بدلے خرید کر قربانی کرے، غریب ہے تو اسی جانور کی قربانی کرسکتا ہے۔

☆......اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لیے گراتے ہوئے کوئی عیب پیدا ہو جائے، مثلاً: ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ جائے یا سینگ وغیرہ ٹوٹ جائے تو اس سے قربانی پر اثر نہیں پڑے گا، البتہ جانور کو گراتے وقت احتیاط کرنا چاہیے۔

مسئلہ نمبر: ۲۳......قربانی کے گوشت میں بہتر یہ ہے کہ تین حصے کرے، ایک حصہ اپنے لیے رکھے، ایک حصہ اپنے رشتہ داروں کو دے اور ایک حصہ فقراء ومساکین کو دے، لیکن اگر سارے کا سارا اپنے لیے رکھے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۴......قربانی کی کھال کسی کو خیرات کے طور پر دے یا فروخت کر کے اس کی قیمت فقراء کو دے، البتہ اگر کسی دینی تعلیم کے مدرسہ اور جامعہ کو دے دے تو سب سے بہتر ہے، کیونکہ علم دین کا احیاء سب سے بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۵......قربانی کی کھال کو اپنے مصرف میں بھی لایا جاسکتا ہے، اس طور پر کہ اس کا عین باقی

رہے، مثلاً: مصلیٰ بنائے یا رسی یا چھلنی بنائے تو درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۶......قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کی مرمت یا امام ومؤذن یا مدرس یا خادم کی تنخواہ میں نہیں دی جاسکتی، نہ اس سے مدارس کی تعمیر ہوسکتی ہے اور نہ شفا خانوں یا دیگر رفاہی اداروں کی۔

مسئلہ نمبر: ۲۷......قربانی کی کھال قصائی کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔

☆......اگر کسی کی قربانی کی کھال چوری ہوگئی یا چھن گئی تو اُسے چاہیے کہ وہ کھال کی رقم صدقہ کردے، اگر استطاعت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، قربانی پر فرق نہیں پڑے گا۔

مسئلہ نمبر: ۲۸......اگر قربانی کے تین دن گزر گئے اور قربانی نہیں کی تو اب ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کردے، اور اگر جانور خریدا تھا، مگر قربانی نہیں کی تو بعینہ وہی جانور خیرات کردے۔

مسئلہ نمبر: ۲۹......ایصال ثواب کے لیے قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۰......اگر کسی شخص کے حکم کے بغیر اس کی طرف سے قربانی کی تو قربانی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو اس کے حکم واجازت کے بغیر قربانی میں شریک کیا تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی، اسی طرح اگر حصہ داروں میں سے کوئی ایک صرف گوشت کی نیت سے شریک ہے تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر: ۳۱......قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دے سکتا ہے، البتہ کسی کو اجرت میں نہیں دے سکتا۔

مسئلہ نمبر: ۳۲......گابھن جانور کی قربانی صحیح ہے، اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کردے۔ اور گوشت آپس میں تقسیم کرنے کی بجائے صدقہ کردیا جائے۔

☆......قربانی کے جانور کے بال کاٹنا یا دودھ دوھنا درست نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اُسے صدقہ کرے، اگر بیچ دیا تو اس کی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ (بدائع، ج:۵، ص:۷۸)

مسئلہ نمبر: ۳۳......جو شخص قربانی کرنا چاہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ یکم ذوالحجہ سے قربانی کا جانور ذبح ہونے تک نہ اپنے جسم کے بال کاٹے اور نہ ناخن۔ (ابوداؤد)

☆......البتہ اگر زیر ناف اور بغل کے بالوں پر چالیس روز کا عرصہ گزر چکا ہو تو ان بالوں کی صفائی کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۴......قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ تک بھی رکھ سکتا ہے۔ (ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۵......جانور ذبح کرنے کے لیے چھری خوب تیز ہونی چاہیے، تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو۔ (ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۶......اگر کوئی شخص اپنی قربانی کا گوشت سارا کا سارا کسی اور کو کھلا دے، خود کچھ بھی نہ

کھائے تو ایسا کرسکتا ہے۔(کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر:۳۷......خصی جانور کی قربانی جائز، بلکہ افضل ہے، کیونکہ اس میں دوسرے کی بہ نسبت گوشت زیادہ ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۳۸......ذبح کرتے وقت تکبیر کے علاوہ کچھ اور نہیں کہنا چاہیے، مثلاً: "باسم اللہ تقبل من فلان"۔ (کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر:۳۹......اگر کسی نے قربانی کی نذر مانی اور وہ کام ہوجائے تو قربانی واجب ہے، اس کے گوشت سے خود نہیں کھاسکتا، سارا فقراء اور مساکین کو کھلا دے۔

مسئلہ نمبر:۴۰......اگر کسی شخص کی ساری یا اکثر آمدنی حرام کی ہو تو اس کو اپنے ساتھ قربانی میں شریک نہیں کرنا چاہیے۔ اگر شریک کیا تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔ ایسا شخص جس کی ساری کمائی حرام کی ہو، اس پر قربانی لازم نہیں، کیونکہ اس کا سارا مال واجب التصدق (بلانیتِ ثواب صدقہ کرنا ضروری) ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ حرام مال سے کسی کا صدقہ قبول نہیں فرماتے، بلکہ وہاں صرف پاکیزہ مال سے کیا ہوا صدقہ وخیرات قبول ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۴۱......بکری کے علاوہ دوسرے کسی جانور میں تمام شرکاء اپنا اپنا حصہ تقسیم کیے بغیر فقراء کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

☆......البتہ اگر نذر کی قربانی ہو یا مرحوم کی وصیت کے تحت قربانی کر رہے ہیں تو پھر تقسیم سے پہلے کسی فقیر کو دینا درست نہیں۔

مسئلہ نمبر:۴۲......کسی نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے مال سے قربانی کی جائے تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا ضروری ہے، خود کچھ بھی نہ کھائے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو قربانی کی روح اور حقیقت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری یہ ظاہری قربانی حقیقی قربانی کے لیے پیش خیمہ ہو اور ہم اس ظاہری و مادی قربانی کی طرح اللہ کے حکم پر اپنی جان کی قربانی کے لیے بھی ہمیشہ تیار رہیں۔

واللہ الموفق والمعین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد
وآلہٖ وصحبہٖ أجمعین

......◆......

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

اور علوم وفنون میں آپ کی جامعیت

ابوطہ محمد صغیر پرتاپ گڑھی
استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

علم حدیث

امام الکشمیر یؒ کا اصل موضوع حدیث اور علوم حدیث ہی تھا اور پوری زندگی آپ نے اسی کی عرق ریزی میں گذاری، اس فن اور اس کے علوم پر جس قدر اللہ تعالی نے آپ کو بصیرت دی، ماضی قریب ہی کا نہیں، بلکہ چھٹی وساتویں صدی کے بعد کا کوئی محدث، اس میں آپ کا نظیر ومثیل نہیں ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ آپ اپنے زمانہ کے علامہ ابن دقیق العیدؒ، علامہ طیبیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ بدر عینیؒ اور علامہ قسطلانیؒ تھے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

آپ کو علم حدیث سے عشق وفریفتگی کا تعلق تھا اور اس کی نشر واشاعت کو آپ نے اپنی زندگی کا مقصد اولین قرار دے رکھا تھا، حدیث کی اشاعت وخدمت کے سلسلہ میں آپ کی مساعی اس دور میں تجدیدی اور اجتہادی شان اور احیاء کا رنگ رکھتی ہیں۔آپ کی مساعی جمیلہ سے شروح احادیث کے دور کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور ایک نئے طرز کو جلا ملی۔آپ کی پوری زندگی حدیث کی تشریح وتفہیم، تدریس وتعلیم اور اشاعت وتبلیغ میں گزری اور آپ نے دور جدید کو ایک نئے طریقۂ درس حدیث سے واقف کرایا، آپ کا انداز درس بالکل نیا تھا، آپ سے پہلے عموماً اساتذۂ حدیث، کتب صحاح ستہ کے درس کے دوران طویل کلام نہیں کرتے تھے ، اہم اور ضروری نکات پر طلبہ کو متوجہ فرمادیا کرتے تھے بس۔لیکن آپ نے ایک نیا انداز درس اختیار فرمایا، جس میں آپ رجال سند پر تفصیلی کلام کے بعد زیر بحث مسئلے سے متعلق صحاح کی دوسری کتب کے علاوہ مسند احمد، سنن بیہقی، سنن دارمی، ادب المفرد، طحاوی، معاجم للطبرانی، مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ ، مصنف ابن عبدالرزاق وغیرہ سے بھی حدیث کے متابع وشواہد کو بیان فرماتے۔

تلامذہ کی لکھی ہوئی درسی کاپیوں سے محسوس ہوتا ہے کہ کتب حدیث کے یہ ذخائر گویا آپ کو زبانی یاد

تھے اور دوران درس ان کتب کی احایث بھی مع درجۂ سند وفرق متن آپ طلبہ کے سامنے بلا تکلف پیش فرماتے۔ گویا علم حدیث کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جدھر بہہ پڑتا، سیراب کرتا چلا جاتا۔

آپ خود فرماتے تھے: ''میرا مطالعہ اور میری نظر بہت سے شراح حدیث سے زیادہ ہے، اور حافظ ابن حجر سے بھی تتبع طرق واسانید میں تو کم، لیکن معانیٔ حدیث میں بہت زیادہ ہی کلام کر سکتا ہوں، پس جن پر کلام کرتا ہوں ان سے زیادہ جانتا ہوں۔ حافظ سے بھی حوالے وغیرہ بہت غلط ہوئے ہیں، میرے کم غلط ہوں گے اور حافظ کو بعض قیود حدیث بھی محفوظ نہیں رہیں اور میں ان ہی قیود سے جواب دہی کرتا ہوں۔ معنیٔ حدیث ان کا موضوع نہیں ہے، اس لئے ہر جگہ ان سے بڑھ جاؤں گا۔'' (۱)

آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا مفتی عتیق احمد عثمانیؒ آپ کے منفرد درس حدیث کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''ایک حدیث جتنے اسانید وطرق سے مروی ہوتی تھی، حضرت شاہ صاحب ان سب پر بالاستیعاب الگ الگ کلام کرتے اور ان کا مقام ومرتبہ متعین فرماتے اور اس بارے میں جن محدثین سے فروگذاشتیں ہوئی ہیں، یا انھوں نے تنگ نظری سے کام لیا ہے، ان پر کڑی تنقیدیں فرمایا کرتے تھے۔'' (۲)

ایک موقعہ پر دوران درس فرمایا: ''حافظ ابن حجرؒ احناف کو کوئی فضیلت نہیں دینا چاہتے، حافظ، حدیث میں پہاڑ ہیں، اگر کسی پر گر جائیں تو وہ ڈھ ہی جائے، لیکن فقہ میں درک نہیں رکھتے، میں نے ان کی نقول کی غلطیاں پکڑی ہیں، رہے نوویؒ تو میں انھیں سطحی النظر عالم سمجھتا ہوں، احناف کے مذہب کو جانتے نہیں اور غلط اقوال ان کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، حافظ ابن حجرؒ، طحاویؒ کی بعض انتہائی علمی کاوشوں کو سمجھے نہیں اور سخت نکتہ چینی کر بیٹھے، میں نے ایسے مواقع کی نشاندہی کی ہے۔'' (۳)

''یہی حال متون حدیث کا تھا، ایک متن کے جتنے ٹکڑے ہوتے، آپ ان کو جمع کرتے اور ایک ہی متن میں الفاظ میں جو ردو بدل ہوتا، اس کی مکمل نشاندہی کرتے۔ اس طرح ایک حدیث چھن چھنا کر سامنے آجاتی اور اب وہ اس قابل ہوجاتی کہ اس سے متعلقہ فقہی مسئلہ کے استنباط واستخراج کے وقت اس کی صحیح پوزیشن متعین کی جا سکے۔'' (۴)

طرق احادیث پر اطلاع تام کی یہ مثال ملاحظہ کریں: الکشمیری فرماتے ہیں: ''حدیث میں ہے کہ پچاس عورتوں کا نگراں شخص واحد ہوگا، حافظ ابن حجرؒ کو عدد مذکور میں اشکال پیش آیا اور توجیہات کے درپے ہوئے، حالانکہ یہی حدیث دوسرے طرق سے اس طرح مذکور ہے کہ کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ اس میں ''قیم واحد'' کے ساتھ ''امین'' کی قید ہے، اس قید نے معاملہ بالکل صاف کر دیا کہ قرب قیامت میں مضبوط کردار کے آدمی ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملیں گے۔'' (۵)

بخاری شریف کی ایک روایت ہے: عَنْ اَنَسٍ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَالنَّبِيُّ ﷺ يُنَاجِيْ رَجُلاً فِيْ جَانِبِ الْمَسْجِدِ،فَمَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ حَتَّى نَامَ الْقَوْمُ.» (باب ال إمام تعرض له الحاجة بعد الاقامة، رقم الحديث: ٦٤٢) «رجل» سے کون صحابی مراد ہیں؟اس بابت حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

«لم أقف على اسم هذا الرجل،وذكر بعض الشراح أنه كان كبيراً في قومه فأراد ان يتألفه على الإسلام ،ولم أقف على مستند ذلك ،قيل ويحتمل ان يكون ملكاً من الملائكة جاء بوحي من الله عز وجل ولا يخفى بعد هذا الإحتمال.» (فتح الباری: ۲/ ۱۴۵)

علامہ عینیؒ لکھ رہے ہیں: «قيل لم يعرف اسم الرجل ما هو، وقيل كان كبيرا في قومه فأراد ان يتألفه عليه السلام على الإسلام وليس لهذا دليل ـ قلت:لا يبعد ان يكون هذا ملكاً،وانس رضي الله تعالى عنه رآه في صورة رجل.» (عمدۃ القاری: ۵/ ۱۵۸)

علامہ کشمیری فرماتے ہیں: «واما الرجل فلم يدركه الشارحان من هو؟ قلت: وقد وجدت اسمه،وهو مذكور في «الادب المفرد للبخاري».» (فیض الباری: ۲/ ۳۸۳)

علاوہ ازیں آپ خود احادیث سے فروعی مسائل استنباط کرتے تھے اور اسی ضمن میں ان حضرات پر سخت تنقید کیا کرتے تھے،جنھوں نے فقہی رائے قائم کر کے حدیث سے تائید لینے کی کوشش کی۔آپ کا پسندیدہ معمولی حدیث کی شرح حدیث سے کرنا تھا، تاویل کے طریقہ کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث: ’’قلتین‘‘ وغیرہ کی شرح و تحقیق اسی اصول پر فرمائی ہے اور جو تاویلیں دوسری صریح حدیثوں کے خلاف ہیں ان کو بے تکلف ردفرمایا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحلیم چشتیؒ آپ کے درس حدیث کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں: ’’حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ درس حدیث میں صرف کتاب نہیں پڑھاتے تھے، بلکہ صحیح معنوں میں علوم حدیث کا درس دیتے تھے،جس سے طلبہ کے ذہن میں جلا،نظر میں وسعت اور معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوتا تھا،اور انہیں اپنی پڑھی ہوئی چیزوں سے کام لینے کا ڈھنگ آتا تھا،درس حدیث میں علامہ موصوف کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے حدیث کی شرح میں ہر فن کا اجراء کیا اور تمام متداول علوم وفنون کو حدیث کی شرح میں برتا اور ان کے اجراء کا طریقہ وسلیقہ سکھایا۔‘‘(٦)

آپ کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا مناظر حسن گیلانیؒ لکھتے ہیں: ’’آپ کے درس حدیث میں شرکت کے پہلے ہی دن میرے کانوں نے اسناد والے تواتر کے سوا،تواتر طبقہ،تواتر عمل اور تواتر قدر مشترک کی نئی قسموں کو سنا،جس سے معلوم ہوا کہ چند روایتوں کے متعلق جس تواتر کا دعویٰ عام کتابوں میں کیا جاتا ہے، یہ دعویٰ صرف اسناد والے تواتر کی حد تک محدود ہے، ورنہ دین کا بڑا حصہ تواتر طبقہ،تواتر عمل اور تواتر قدر مشترک کی راہ سے منتقل ہو کر مسلمانوں کی پچھلی نسلوں میں اگلی نسلوں سے پہنچا ہے اور تواتر کی ان تمام قسموں میں

یقین آفرینی کی وہی نفسیاتی اور منطقی قوت ہے، جو قوت اسناد والے تواتر میں پائی جاتی ہے۔"(۷)

تواتر کی مذکورہ بالا قسموں کی بابت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "وهذه الاقسام الاربعة للتواتر وان كانت جزئياتها منتشرة فى كتبهم لكنهم لم يكونوا يذكرونها عند التقسيم، واول من ربّع القسمة وسمى كل قسم باسمه فيما نعلم الشيخ العلامه الانور اطال الله بقائه وهو تقسيم حسن." (۸)

الحاصل علم حدیث میں اللہ تعالی نے آپ کو ایسا تبحر عطا فرمایا تھا اور متون حدیث ورجال سند پر آپ کی ایسی گہری نظر تھی کہ اس کی بنیاد پر آپ نے درس حدیث کی ایک نئی طرح ڈالی، شرح حدیث کو ایک نئی جہت دی اور بعض ایسی اصطلاحات وتعریفات کا اضافہ بھی فرمایا جو متقدمین محدثین کے یہاں نہیں ملتی ہیں۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

تصنیف وتالیف کی طرف خاص رغبت نہ ہونے کی وجہ سے باقاعدہ حدیث شریف کی کسی کتاب کی کوئی شرح یا اصول حدیث کی کوئی کتاب تو تصنیف نہیں فرمائی، لیکن آپ کے شاگردوں نے علوم انوری کو جمع کرنے اور اگلی نسلوں کو اس سے واقف کرانے کی جو کوشش کی ہے بلاشبہ وہ بھی علامہ کشمیری ہی کا امتیاز ہے۔ فیض الباری شرح صحیح البخاری، انوار الباری شرح صحیح البخاری، انوار المحمود شرح سنن ابی داؤد، امالی سنن ابی داؤد، معارف السنن شرح سنن الترمذی، العرف الشذی شرح سنن الترمذی، حاشیہ سنن ابن ماجہ، صحیح مسلم کی درسی کاپی، سنن ابی داؤد کی دو درسی کاپیاں (راقم الحروف محمد صغیر پرتاپ گڑھی جنھیں مرتب کر رہا ہے) وغیرہ۔ فالله الحمد على ذلك۔

علاوہ ازیں آپ کے داماد حضرت مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "حضرت کی یاد داشتوں کے تین صندوق بھرے ہوئے گھر پر تھے، جن کا اکثر آپ ذکر فرمایا کرتے تھے، ان سے سینکڑوں مسائل میں مدد مل سکتی تھی اور آج وہ سب موجود ہوتیں تو صحاح ستہ، معانی الآثار طحاوی وغیرہ کی بے نظیر شروح تالیف کی جاسکتی تھیں۔(۹)

حوالہ جات

(۱) ملفوظات محدث کشمیری، ص: ۲۶۰۔(۲) تصویر انور، ص: ۳۹۔(۳) نوادرات، ص: ۲۸۔ (۴) تصویر انور، ص: ۵۲۔ (۵) نوادرات، ص: ۲۳۴۔ (۶) جمال انور، ص: ۹۸۔ (۷) تصویر انور، ص: ۱۰۳۔ نقش دوام، ص: ۱۵۳۔(۸) نفحۃ العنبر، ص: ۱۳۵۔ مقدمہ فتح الملہم، ص: ۱/۶)

……✦……

حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ

مولانا سید فضیل احمد ناصری

استاذ حدیث جامعہ ونائب مدیر ماہنامہ محدث عصر، دیوبند

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات کے جہاں اور یادگار پہلو ہیں، وہیں ایک تابناک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی فہرستِ تلامذہ میں ایسی شخصیات کی کثرت ہے، جو اگلے وقتوں میں نامور علماء واکابرامت کہلائیں۔ انہیں میں سے ایک محدث کبیر فقیہ العصر عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوریؒ بھی ہیں۔ مولانا مرحوم اپنے زمانے کی عبقری شخصیت تھے۔ حدیث وفقہ میں کمالِ دستگاہ رکھتے۔ تحقیق وتدقیق ایسی کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اپنی ہر تصنیف ان کی نظر سے گزارتے۔ وہی کیا، ان کے جلیل استاد محدث کبیر مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ بھی اپنی مایۂ ناز کتاب بذل المجہود کی مشکل بحثیں انہیں دکھا کر ہی آگے بڑھتے۔ تصوف میں بہتوں کے لیے چراغ راہ ثابت ہوئے۔ علما وطلبہ میں وہ اعزاز واکرام کہ مظاہرعلوم سہارنپور میں مدرسی کے دوران جب ''حضرت مولانا'' کہا جاتا تو ذہن انہیں کی طرف مبذول ہوتا۔ علامہ کشمیریؒ سے انہوں نے ابوداؤد شریف پڑھی تھی۔

حلیۂ مبارک

مولانا کی ذاتِ گرامی صورت وسیرت کی جامع تھی۔ کشیدہ قامت۔ جمیل الاعضاء۔ وجیہ وشکیل۔ چہرہ سرخی مائل، ساتھ ہی گول مٹول۔ داڑھی زیادہ گنجان، نہ بہت خفیف۔ جسم نہایت مناسب۔ ہر چیز میں اعتدال۔ شکل وصورت نورانیت ورعب سے مزین۔ دیکھنے والا دیکھتا رہ جاتا۔

خاندان اور وطن

مولانا کا نسبی تعلق افغانستان کے مشہور قبیلے یوسف زئی سے تھا۔ ان کے والد کا نام مولانا حکیم گل احمد

تھا۔ دادا کا نام محمد عباس اور پردادا کا نام محمد حبیب۔ مشہور سپہ سالار محمود غزنوی جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو مہم سرانجام دینے کے بعد اس کے ساتھ آنے والی فوج کے کچھ افراد دریائے سندھ کے مشرقی حصے کے سرسبز وشاداب علاقے ''چھچھ'' میں آباد ہو گئے۔ اس فوج میں مولانا کے جدِ اعلیٰ بھی شامل تھے۔ ''چھچھ'' قدیمی دور سے علما کا مرکز رہا ہے۔ مولانا کا وطن بہودی ہے، جو ضلع کیمبل پور میں واقع ہے۔ انیسویں صدی میں یہ علاقہ ضلع راولپنڈی میں تھا۔ اس کے بعد دریائے سندھ کے کنارے پر ضلع اٹک مقرر ہوا۔ 1904 میں انگریز ڈپٹی کمشنر کیمبل نے آکر اٹک سے پندرہ میل کے فاصلے پر نیا شہر کیمبل پور آباد کیا، جو اب علاقے کا ضلع ہے۔ کیمبل پور تعلیل کے بعد کیمل پور بنا اور تعلیل مزید کے بعد کامل پور بن گیا۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ از راہِ ظرافت انہیں ''پورے کامل'' کہتے تھے۔ محدث عصر مولانا سید محمد یوسف بنوری انہیں ''الکاملی'' لکھا کرتے۔

مولانا کی والدہ کا نام زیب النساء بنت خیر اللہ خاں تھا۔ مرحوم کا گھرانہ بڑا دیندار تھا۔ ان کے پردادا محمد حبیب خاں صاحب خدا ترس اور عابد وزاہد تھے۔ علاقے میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ دادا محمد عباس خاں مرحوم بھی پرہیزگار وخوش اطوار تھے۔ اچھے اور نامور حکیم۔ بھاری بھرکم تن وتوش۔ حقیقی مرد آہن۔ وزن دار لوہے کو بھی لمحوں میں اٹھا لیتے۔ والد مرحوم حکیم گل احمد صاحب سنجیدہ عالم ہونے کے ساتھ مشہور طبیب بھی ہوئے۔ روزانہ پانچ پارے تلاوت کرتے۔ شب خیز وتہجد گزار۔ پیشے سے کاشتکار۔ کسی زمانے میں طب وحکمت کو بھی ذریعۂ معاش بنایا۔ زندگی کا کچھ عرصہ صوبۂ بہار کے مقام ملک ٹولہ بیسی ہاٹ ضلع پورنیہ میں بھی گزارا۔ وہاں بھی وہی طب اور حکمت۔ خود فرماتے کہ بارہا بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں سے فنی اور طبی مقابلے ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ سرخروئی عطا کی۔

ولادت اور تعلیم

مولانا مرحوم اپنے چار بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے۔ تاریخ ولادت 27 / اگست 1882 مطابق 1300ھ ہے۔ تعلیمی سفر کی شروعات حسب روایت مکتب سے ہوئی۔ قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے وطن ''بہودی'' میں پڑھیں۔ وطن کے قیام اور گھر کے عیش وآرام کی وجہ سے ''بہودی'' میں تعلیم مشکل تھی، اس لیے آپ کے چچا مولانا غلام رسول صاحبؒ اور دیگر اکابر کے مشورے سے تعلیمی سفر کا اگلا پڑاؤ شمس آباد بنا۔ شمس آباد کچھ عرصے تک مقامی علما اور سلسلۂ مانکی شریف کے شیوخ کا مرکز رہا ہے۔ مولانا کی فارسی اور عربی کی شروعاتی تعلیم اسی شمس آباد میں ہوئی۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولانا فضل حق صاحبؒ سے پڑھیں۔ یہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے شاگرد تھے۔

مثنوی حاجی صاحبؒ سے پڑھی تھی۔ ان سے مولانا نے کافیہ پڑھا۔ خوش خطی کی مشق شیخ فتح احمد صاحب کی نگرانی میں کی، جو اپنے وقت کے مشہور خطاط تھے۔ شیخ فتح احمد ''شیخ بابا'' کے نام سے مشہور تھے۔ مولانا مرحوم نے شیخ بابا سے تحسین خط میں کمال مہارت پائی۔

تحصیلِ علم کے لیے ہر مشقت برداشت

مولانا کا اگلا پڑاؤ پنڈی سرال تھا۔ یہاں قاضی مولانا عبدالرحمن صاحبؒ کی نحو اور منطق میں شہرت تھی۔ مولانا مرحوم نے یہاں تین سال گزارے۔ شرح جامی اور ملاحسن تک منطق کی کتابیں آپ نے یہاں پڑھیں۔ وہاں سے نکلے تو مکھڈ شریف چلے گئے، جو ضلع کیمبل پور میں ایک پرکشش مقام تھا۔ یہ علاقہ اس وقت علمی و روحانی مرکز تھا۔ مولانا حسن الدین اخلاصویؒ اس وقت وہیں پڑھاتے۔ مولانا نے ان سے حمد اللہ، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ پڑھیں، جو منطق و فلسفہ کی نہائی کتابیں ہیں۔ وہاں سے نکل کر ڈاگئی ضلع مردان پہونچے اور وہاں مولانا عبدالحکیم صاحب سے قاضی اور حمد اللہ وغیرہ پڑھی۔ معقولات میں مزید تعمق کے لیے سرحدی علاقے چکیسر کا بھی رخ کیا۔ غرض پوری طالب علمی سفر در سفر سے عبارت۔

یک فنی علما سے استفادے کا سلسلہ آگے بھی جاری رہا۔ نامور اساتذہ سے پڑھنا ان کا شوق تھا۔ ایک آرزو یہ تھی کہ پنجاب و ہندوستان کے مشاہیر اہل علم سے سلسلۂ تلمذ قائم کیا جائے، اس لیے وطن سے نکل کر دور دراز علاقوں کے اسفار کیے اور راہ کے ہر خار میں گلزار کا مزہ پایا۔ خود فرمایا کرتے کہ ایک بار پنڈی سرال جاتے وقت میں اور مولوی عبدالغنی صاحب مرحوم دریائے سواں پار کر رہے تھے۔ دریائے سواں اپنی ہولناکیوں اور پر پیچ راستوں کے لئے مشہور تھا۔ ہم سے آگے کچھ فاصلے پر ایک دوسرا شخص بھی دریا عبور کر رہا تھا۔ ہمیں پانی کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ دریا کے وسط میں جب پہونچے تو اچانک پانی کا دباؤ بڑھنے سے ڈوبنے کا خطرہ محسوس ہوا۔ کم عمری کی وجہ سے پانی کا مقابلہ بھی مشکل تھا۔ تیرنا بھی نہیں جانتے تھے۔ کتابوں اور کپڑوں کے بھیگنے کا خطرہ الگ تھا۔ اتفاق سے پار ایک شخص نے ہماری اس پریشان کن حالت کو دیکھا۔ دوڑتا ہوا آیا اور ہم دونوں کو انگلی سے پکڑ کر مختلف پیچ دار راستوں سے گزارا اور اس طرح دریا عبور ہوا۔

سہارنپور کا سفر

پنجاب و صوبہ سرحد کی باکمال شخصیات سے استفادے کے دوران دیوبند اور سہارنپور کا نام ان کے کانوں سے بار بار ٹکرایا تھا، اس لیے حدیث و فقہ کی کتابوں کے لیے ضلع سہارنپور جانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ والد صاحب آمادہ نہیں تھے، مگر فرزند کی آرزو میں حائل نہ ہو سکے۔ مظاہر علوم سہارنپور اس وقت

محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے غلغلۂ فضل وکمال سے لبریز تھا اور ان کا ڈنکا ہند و بیرون ہند میں شدت کے ساتھ بج رہا تھا۔ محدث سہارنپوری کی شہرت کامل پور کے اس سپوت کو مظاہر علوم کھینچ لے گئی۔ ذی قعدہ 1330ھ مطابق 1912ء میں داخلہ لیا اور علم ومعرفت کے اس بہار بردوش گلشن میں دو سال گزارے۔ پہلے سال دورۂ حدیث اور اونچے درجے کی بعض دیگر کتابیں پڑھیں۔ اور دوسرے سال ادب اور فلسفہ و ہیئت کی بعض کتابیں بھی پڑھیں، جن میں اقلیدس، تصریح، صدرا، متنبی، سبعہ معلقہ، مقامات، حماسہ، چغمینی، خلاصۃ الحساب اور سبع شداد وغیرہ ہیں۔ دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں محدث کبیر مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے پڑھیں۔ سالانہ امتحان میں پہلی پوزیشن پائی اور انعامی کتب کے علاوہ پانچ روپے نقد بھی انعام میں ملے۔ مظاہر علوم کے اساتذہ میں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ صدر المدرسین، مولانا عنایت علیؒ مہتمم، مولانا عبدالوحید صاحبؒ، مولانا ثابت علی صاحبؒ، مولانا عبداللطیف صاحبؒ اور مولانا محمد یحیی کاندھلویؒ ہیں۔ 1331ھ میں مظاہر سے فراغت پائی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

مظاہر علوم میں قیام کے دوران دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے کی ہوک اٹھنے لگی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف پڑھاتے اور یہاں کی مسند صدارت پر رونق افروز۔ امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا آفتاب فضل وکمال کائنات علم میں کرنیں بکھیر رہا تھا۔ مولانا نے اپنی اس خواہش کا اظہار مولانا خلیل احمد صاحب سے کیا اور ان سے اجازت طلب کی۔ حضرت سہارنپوریؒ نے اجازت دے دی، مگر یہ شرط بھی رکھ دی کہ فراغت کے بعد تدریس مظاہر علوم میں کرنی ہوگی۔ عہد و پیمان مان لیا گیا۔ شوال 1332 ہجری مطابق 1914 عیسوی میں دارالعلوم دیوبند پہونچے اور دورۂ حدیث کی جماعت میں داخلہ لیا۔ شیخ الہند کی تدریسی زندگی کا یہ آخری سال تھا۔ امام العصر علامہ کشمیری رحمہ اللہ اس وقت ابوداؤد شریف پڑھاتے تھے اور اس کتاب کا درس آخری بار ان سے متعلق۔ اس سال کی خاص باتیں تفصیل سے جاننے کے لیے محدث عصر کا پچھلا شمارہ (فروری، مارچ، مولانا محمد ادریس دہلوی) ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا کامل پوری صاحب نے دارالعلوم میں صرف ایک سال پڑھا اور اول نمبر سے کامیابی حاصل کی۔ اساتذۂ دارالعلوم میں شیخ الہند اور علامہ کشمیری کے علاوہ مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، مولانا حکیم محمد حسن صاحبؒ، مولانا غلام رسول صاحبؒ، مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ، مولانا گل احمد صاحبؒ، مولانا اعزاز علی امروہویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا عبدالسمیع صاحبؒ وغیرہم

خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ کامل پور کے اس مسافر علم وحکمت کی خاص بات یہ ہے کہ قوتِ حافظہ بلا کی رکھتے، جہاں بھی پڑھا، ہر جگہ پہلی پوزیشن پاتا رہا:

ایں سعادت بزور بازو نیست * تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

درس وتدریس کی مسند پر

مرحوم 1333 ہجری میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور وہیں چلے گئے جہاں سے مشروط اجازت پا کر دیوبند آئے تھے۔ اپنے جلیل استاذ محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے کیے گئے وعدے کا ایفا کیا اور مظاہر علوم میں تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ تنخواہ 15 روپے ماہانہ مقرر ہوئی۔ قلت تنخواہ کے باوجود سلسلۂ تدریس آگے بڑھایا اور اہل وعیال کو بھی سہارن پور لے آئے۔ اگلے سال یعنی 34 ہجری میں تنخواہ میں اضافہ ہوا اور کتابی ترقی بھی۔

تونسہ میں تدریس

مظاہر علوم میں درس وتدریس کا سلسلہ بخوبی جاری ہی تھا کہ تونسہ سے زبردست بلاوا آگیا۔ خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ایک قابل ذکر ادارہ بھی واقع تھا۔ اس کے ذمہ داران ایک جیدالاستعداد مدرس کی تلاش میں تھے۔ مولانا کے استاذ مولانا حسن الدین صاحبؒ نے ارباب انتظام سے کہا کہ اگر کامیابی چاہتے ہو تو مظاہر علوم سے میرے شاگرد کو بلا لو۔ یہ مشورہ بہت پسند کیا گیا۔ انہیں مظاہر سے تونسہ بلانے کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ ادارے کے مہتمم صاحب مولانا کے محبوب استاذ حضرت مولانا حسن الدین صاحبؒ کا سفارشی خط لے کر مظاہر پہونچے۔ مولانا نے خط پڑھا اور صاف انکار کر دیا۔ محدث کبیر مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے بھی اجازت نہیں دی۔ ناکام ونامراد مدرسہ تونسہ کے مہتمم واپس لوٹے۔ کچھ عرصے کے بعد طبیعت ناساز ہوئی تو اپنے وطن ''بہبودی'' تشریف لے گئے۔ تونسہ کے ذمہ داران کو پتہ چلا تو انہوں نے مولانا کے والد، ان کے چچا مولانا غلام رسول صاحبؒ اور ان کے استاد مولانا حسن الدین صاحبؒ سے اصرار کیا کہ کسی طرح مولانا کامل پوریؒ کو مدرسہ تونسہ میں بلایا جائے اور وہاں کی مدرسی ان کے سپرد کی جائے۔ اپنے والد، چچا اور استاد کے دباؤ سے مجبور ہو کر وہاں جانا ہی پڑ گیا، لیکن ادارے کی بدقسمتی کہ علاقے کے ناہموار حالات، وہاں کی مبتدعانہ فضا اور علمی ترقی کے اسباب محدود ہونے کی وجہ سے ان کا دل نہیں لگا۔ سہارنپور سے جدائی ان پر شاق تھی۔ اس کی یاد میں مسلسل تڑپے جا رہے تھے۔ اس دوران

مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحبؒ کا تار پہونچا کہ فوراً سہارنپور آ جاؤ۔ شکستہ خاطری کافور ہوئی۔ آناً فاناً جانے کا ارادہ کرلیا اور مدرسہ تونسہ میں خدمات سے معذرت کرلی۔ ذمہ داران بہت روئے۔ مغموم ہوئے۔ منت سماجت کی، مگر ان کا صاف جواب کہ میری طبیعت یہاں نہیں لگتی۔ مدرسہ تونسہ سے پھر مظاہر علوم تشریف لے گئے۔ مولانا سہارنپوری اس وقت سبق پڑھا رہے تھے۔ ان کی آمد کی خبر جیسے ہی ان تک پہنچی ملاقات کے لیے بے تابانہ تشریف لائے۔ ایک ہجوم ان کے ساتھ تھا۔ آتے ہی انہوں نے یہ شعر پڑھا:

کششے کہ عشق دارد نہ گزاردت بہ نیساں * بہ جنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

کچھ عرصہ بعد ہی مظاہر علوم میں مدرس دوم بھی مقرر ہوگئے۔ ابتدا سے چلے اور دورۂ حدیث تک کتابیں ان کے زیر تدریس آئیں۔ دورۂ حدیث میں عموماً ترمذی شریف اور طحاوی شریف کا درس ان سے متعلق رہا۔ طرز تدریس دل کش تھا۔ افہام وتفہیم بلا کی تھی۔ طلبہ ہی نہیں اساتذہ کے بھی مرجع تھے۔ 1344ھ میں مولانا سہارنپوری نے ترک وطن کرحجاز مقدس کا ارادہ کیا تو صدارتِ تدریس کے لیے اپنے اسی شاگرد کونامزدکیا۔ مولانا کا دورصدارت مظاہر کی تاریخ کا تابناک دور ہے۔ ان کے عہد صدارت میں ادارے نے ظاہری وباطنی ہرطرح ترقی کی اور عالمی سطح پر اس کا چرچا ہوا۔ محدث سہارنپوری کی جانشینی کا انہوں نے حق ادا کردیا۔

تقسیم ہند اور مولانا کا مظاہر سے ترک تعلق

مولانا کی خدمات مظاہر میں زبردست انداز میں جاری ہی تھیں کہ تقسیم ہند کا شور بلند ہوا۔ مولانا اس وقت رمضان کی تعطیل کلاں میں وطن تشریف لے گئے تھے۔ چند ہی دنوں میں ملک دولخت ہوگیا تو ان کی واپسی کی راہیں بند ہوچکیں تھیں۔ ناچار مظاہر سے ان کا قدیم رشتہ ٹوٹ گیا۔ 1366ھ مطابق 1947ء میں یہ روح فرسا سانحہ پیش آیا تھا۔ یہ تقسیم ان کے لیے کسی صاعقۂ آسمانی سے کم نہ تھی۔ خیراب کیا کرتے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے ملتان میں مدرسہ خیر المدارس کی بنیاد ڈالی تو وہاں تدریس اور صدارت تدریس کے لیے مولانا کو بھی دعوت دی۔ تین سالہ قیام کے دوران ان کا فیضان یہاں بھی خوب عام ہوا۔ 1367ھ سے 1369ھ تک علم وعرفان کے موتی برابر لٹاتے رہے۔

دارالعلوم الاسلامیہ اوراکوڑہ خٹک میں تدریسی خدمات

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی خواہش پر دارالعلوم دیوبند کے آہنگ پر ٹنڈوالہ یار میں دارالعلوم

الاسلامیہ قائم ہوا تو شیخ الحدیث کے منصب پر مولانا کا تقرر ہوا۔ان کی خدمات کا سلسلہ یہاں بھی تین سال سے آگے نہ بڑھ سکا۔1372ھ میں اسے بھی خیر باد کہہ دیا۔

وہاں سے نکلے تو جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم مولانا بادشاہ گلؒ نے انہیں اپنے ادارے میں آنے کی پرزور اپیل کی،مگروہ آماد]ہ نہ ہوئے۔علامہ شمس الحق افغانی صاحبؒ کے اصرار پر بہرحال آمادہ ہوئے اور چار سال وہاں بھی علوم اسلامیہ کی دولت تقسیم کی۔

تدریس کا انقطاع اور خانقاہی سرگرمیاں

مختلف مقامات پر درس وتدریس کا علم بلند کرنے کے بعد یہ سلسلہ بالآخر ختم گیا اور اب یکسو ہو کر خانقاہی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔مرشد اول حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ تھے،جن سے قیام دارالعلوم کے دوران ہی درخواست بیعت کی تھی۔ان کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے رجوع کیا۔ بہت جلد ان کے خلیفہ ومجاز بنے اور ان کے ہی طرز پر پوری زندگی گزاری۔تصلب فی الدین اور اتباع سنت کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔حضرت تھانویؒ فرماتے کہ کامل پوریؒ نے بہت اچھی طرح اور باقاعدگی سے سلوک کے منازل طے کئے ہیں۔

علالت اور وفات

مولانا کی پوری زندگی تدریس،خانقاہ اور کتب بینی میں گزری۔قادیانیوں پر بھی ان کی بجلی گری ہے۔ وقت موعود آیا تو اس کے اسباب بھی رونما ہوئے۔ 10 / دسمبر 1965ء میں ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور 21 / دسمبر کو انہوں نے آخری سانس لی۔ڈاکٹروں کی ہر تدبیر ناکام ہوئی۔ایک قیامت دوڑ گئی۔نماز جنازہ مولانا کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ رحمانیہ میں ادا کی گئی۔شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب نے نماز ادا کرائی۔اور اس طرح بہبودی کیمبل پور کا یہ مرد جلیل،علم کا اتھاہ سمندر،حق آگاہ اپنے وطن میں ہی ہمیشہ کے لیے آسودۂ خواب ہو گیا۔

باقیات صالحات میں نامور تلامذہ کی ایک طویل کھیپ چھوڑی،جن میں مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہما بھی شامل ہیں۔چار صاحب زادے اور ایک صاحب زادی ان کی صلب سے ہوئے۔تین فرزند تو عالم وفاضل بھی ہوئے۔

خدا رحمت کند

……✦……

حق آزادی اور اس کی حدیں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں تین طرح کی مخلوقات پیدا کی ہیں، جمادات، نباتات اور حیوانات، جمادات سے مراد ایسی چیزیں ہیں جن میں نمو اور حرکت کی صلاحیت نہیں ہوتی، جیسے پتھر، زمین، لوہا۔ نباتات سے مراد پودے ہیں، جن میں بڑھوتری اور افزائش تو ہوتی ہے، لیکن وہ نقل وحرکت کی صلاحیت سے محروم اور بظاہر احساس وشعور سے عاری ہیں، حیوانات سے مراد جان دار مخلوق ہیں، جن میں شعور و احساس ہے، کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ادراک کی صلاحیت اور نقل وحرکت کی قوت ہے، جمادات اور نباتات دراصل اس تیسری مخلوق کے لیے پیدا کئے گئے ہیں، پتھر جہاں نصب کردیے جائیں، نصب رہتے ہیں، لوہے کو آپ جس سانچے میں چاہیں ڈھال لیں، لکڑی کو آپ جس مقصد کے لیے چاہیں استعمال کریں، درخت آپ جہاں چاہیں لگادیں، انہیں کوئی انکار نہیں اور نہ ان کی طرف سے کوئی احتجاج سامنے آئے گا، گویا یہ جان دار مخلوقات کے لیے قدرت ہی کی طرف سے خادم اور اپنی اعلیٰ تر مخلوق کے غلام ہیں، اس غلامی پر انہیں کوئی اعتراض نہیں۔

لیکن جو جان دار مخلوقات ہیں، ان کا معاملہ ان سے مختلف ہے، شیر اور ہاتھی سے لے کر چیونٹی اور مکھی تک اگر آپ کسی کو بھی اپنی قید میں لانا چاہیں تو وہ ضرور احتجاج کریں گے، انکار کا رویہ اختیار کریں گے، اپنی طاقت وصلاحیت کے مطابق وار کرنے یا راہ فرار اختیار کرنے سے نہیں چوکیں گے اور کسی طور آپ کی گرفت میں آنا پسند نہیں کریں گے، گویا فطری طور پر ان کو غلامی سے انکار ہے اور یہ آزادی کے طلب گار ہیں، جان دار مخلوقات میں سب سے عظیم ترین مخلوق انسان ہیں، ان کو اللہ تعالی نے عقل وشعور اور فہم وادراک کی ایسی صلاحیت ودیعت کی ہے کہ کسی اور جان دار مخلوق کو شاید اس کا سوواں حصہ بھی حاصل نہ ہو، اس لیے انسان میں آزاد رہنے کا جذبہ زیادہ ہے اور اس کی فطرت غلامی سے اَباء کرتی ہے، انسان کے نو مولود شیر خوار بچہ کو بھی اس کے مزاج اور طبیعت کے خلاف کوئی بات پیش آجائے، تو اس کی طرف سے ضرور

ہی احتجاج اور ردِ عمل کا اظہار ہوتا ہے، وہ روتا ہے اور بے تحاشہ آنسو بہا کر اپنی ناگواری کا اظہار کرتا ہے، یہ اسی صدائے آزادی کی بازگشت ہے، جو انسانی فطرت میں رکھی گئی ہے، جس کی وجہ سے انسان پتھر اور لکڑی کی طرح ہر عمل پر خاموش اور ردِ عمل سے عاری نہیں رہ سکتا اور مزاج و مذاق کے خلاف پیش آنے والی بات پر ناگواری کے اظہار کے لیے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے اور یہ اس کے بے چین دل کے لیے کسی قدر سکون و طمانیت کا باعث بنتا ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے اور وہ سلیم فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے آیا ہے، نہ کہ اس کو دبانے اور اس کا گلا گھونٹنے، اسلام کا پورا نظامِ حیات اسی بنیادی تصور پر مبنی ہے، اس میں کہیں قانونِ فطرت سے تصادم اور ٹکراؤ نہیں، اس نے انسان کے آزاد رہنے کے اس فطری حق کو تسلیم کیا ہے، اس کی بہترین ترجمانی ان کلمات سے ہوتی ہے جو عالمِ اسلام کے سفیر صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رستم ایران کے دربار میں کہے تھے اور ان پر اپنا مقصد و منشا واضح کیا تھا کہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو انسان کی بندگی اور غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کریں۔ "**اللہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ**" (البدایہ والنہایہ 7/39)

انسان کے اس فطری حق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عمر نے اپنے ایک گورنر کو فرمایا کہ ان کو ان کی ماؤں نے تو آزاد جنا تھا، تم نے ان کو کب سے غلام بنالیا ہے؟ یہ آزادی کے اسی فطری حق کا اعلان و اظہار ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات کا ایک حصہ ہے، اس لیے آزادی ایک انسانی اور اسلامی حق ہے۔

آزادی کے تصور کو طاقت پہنچانے کی غرض سے اسلام نے سب سے پہلے انسانی مساوات کا تصور دیا کہ تمام انسان ایک ہی آدم کی اولاد ہیں، محض رنگ و نسل، خاندان و نسب اور علاقہ و وطن کی بنیاد پر ان میں ایک دوسرے سے بڑا نہیں، بہتری اور کہتری انسان کے عمل اور کردار سے متعلق ہے: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات:13)

یہ وہ بنیادی تصور ہے جس کے بعد ایک انسان کا پیدائشی طور پر حکم راں اور دوسروں کا محکوم ہونا غلط قرار پاتا ہے، اسلام سے پہلے قریب قریب پوری دنیا میں بادشاہتیں قائم تھیں، روم، ایران، حبش، یمن، ہندوستان، غرض اس وقت کی معلوم دنیا میں ہر جگہ شاہانہ طرزِ حکومت مروج تھا اور مخصوص خاندانوں کو حکومت کا اہل سمجھا جاتا تھا، اس کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ اس آمرانہ طرزِ حکومت کو مذہبی رنگ دے دیا گیا تھا، ایران میں لوگ شاہی خاندان کو خدا کا کنبہ تصور کرتے تھے، مغرب میں رفتہ رفتہ کلیسا نے

انسان کو اپنا مکمل غلام بنالیا تھا، وہ نہ صرف اپنے آپ کو لوگوں کی آخرت کا ٹھیکے دار تصور کرتے تھے۔ بلکہ دنیا میں بھی اپنے فیصلہ کو خدائی فیصلہ باور کرتے تھے اور یہی عقیدہ لوگوں کے ذہن میں راسخ کر دیا گیا تھا، ایک طرف وہ مغفرت نامے تقسیم کرتے اور لوگوں کے لیے جنت کی رجسٹری کرتے اور دوسری طرف مملکت کے نظام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھ کر، نہایت جابرانہ طرز عمل اختیار کرتے اور جو ان کی رائے سے سرِ مُو انحراف کرتا ان کو لرزا دینے والے عقوبت خانوں میں تختہ مشق بنایا جاتا اور زندہ جلا دینے کی سزا دی جاتی بالآخر 1789ء کے انقلاب فرانس پر یہ ظالمانہ کلیسائی نظام یورپ سے ختم ہوا، گویا ایک آمریت تھی جو مذہب اور خدا کے نام پر روا رکھی گئی تھی، اس لیے یورپ میں جو انقلابی تحریکیں اٹھیں ان کا خمیر مذہب کی مخالفت اور عناد سے تیار ہوا۔

اسلام نے اس طرح کی خاندانی بادشاہت کو سند جواز عطا نہیں کیا اور ایک ایسے آزاد طرز حکومت کا تصور پیش کیا، جس میں رنگ و نسل کے بجائے صلاحیت اور کردار کی بنیاد پر فرمانرواں کا انتخاب عمل میں آئے ، اور پھر یہ بھی بتا دیا کہ حکم راں کوئی مافوق العادت حیثیت کا حامل نہیں ہوتا ، بلکہ وہ بھی عام لوگوں ہی میں کا ایک شخص ہوتا ہے، اس کے فیصلے غلط بھی ہو سکتے ہیں، اس کی ذات تنقید سے بالاتر نہیں ہوتی اور عوام کو ان کے احتساب کا پورا حق حاصل ہوتا ہے، یہ بات کہ حق حکم رانی "اتفاق" سے متعلق نہیں کہ کوئی شخص کسی خاندان میں پیدا ہو جائے تو وہ حکم رانی کا حق دار ہے، بلکہ یہ حق انسان کے کردار اور اکتساب سے متعلق ہے، یہ ایک انقلابی فکر ہے، جس سے آزادی کا تصور ابھرتا ہے اور غلامی کی نفی ہوتی ہے۔

پھر اسلام نے تفصیل کے ساتھ مختلف شعبہائے زندگی سے متعلق انسان کے بنیادی حقوق کو متعین کیا، قرآن نے کہا کہ ہر شخص کو جینے کا حق ہے اور کسی بھی نفس انسانی کو زندہ قتل کر دیا جائے تو اس کے وارث کو قاتل سے بدلہ لینے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ (الاسراء:33)

گویا انسان اپنی زندگی کے لیے کسی کے رحم و کرم کا محتاج نہیں، ہر شخص کو اپنے مال پر ملکیت کا حق ہے، دوسروں کو حق نہیں کہ وہ ناروا طریقہ پر، اس کی رضا مندی کے بغیر، اس کے مال پر قابض ہو جائے۔ (نساء:29)

پھر کسب معاش کے لیے ہر شخص آزاد ہے کہ وہ جس پیشہ کو چاہے اختیار کرے، اس کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اگر اس کے خاندان میں پہلے سے کوئی ایسا پیشہ آ رہا ہو جسے لوگ کمتر سمجھتے ہوں، تو وہ وہی پیشہ اختیار کرے۔ ہاں، اگر کوئی شخص کسی کام کا اہل نہیں، جیسے اس نے میڈیکل تعلیم حاصل نہ کی ہو اور

لوگوں کا علاج کرنے لگے تو عام لوگوں کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اسے اس سے روکا جاسکتا ہے، خود حدیث نبوی میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

عزت وآبرو کا تحفظ ایک بنیادی حق ہے اور کسی قوم کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ دوسری قوم کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کرے: لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ (الحجرات:11)

عدل وانصاف ہر شخص کا حق ہے، اسلام نے اس کا شفاف اور مساوات پر مبنی نظام دیا ہے اور انصاف کے معیارات بھی یکساں رکھے ہیں، اس میں حکمران ومحکوم اور سماج کے باوجاہت اور معمولی لوگوں کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا، یہاں تک کہ اگر مسلمانوں کی کسی قوم سے عداوت ہو تب بھی حکم دیا گیا کہ پیمانہ انصاف میں کوئی فرق نہ ہونے پائے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ہر شخص کو رائے اور ضمیر کی آزادی عطا کی گئی اور وہ جس چیز کو غلط سمجھے اس کے اظہار کی اجازت دی گئی، جسے قرآن کی زبان میں نہی عن المنکر کہا جاتا ہے (آل عمران:10)

ملک کے ہر شہری کو احتجاج اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق دیا گیا ہے: لَّا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ (نساء:148)

اسلام ملک کے تمام شہریوں کو مذہبی آزادی عطا کرتا ہے کہ وہ اپنے ضمیر واعتقاد کے مطابق خود زندگی گزارے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ:256)

سزا کے نظام میں بھی مساوات وبرابری اور ہر بالغ ومکلف کے لیے یکساں سزا رکھی گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایک معزز خاتون کا ہاتھ چوری کے جرم میں کٹوایا اور اس سلسلہ میں اپنے قریب ترین لوگوں کی سفارش کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی اس کی مرتکب ہوتی تو اسے بھی یہی سزا دی گئی ہوتی اسلام نے ایک ایسے نظام مملکت کا تصور دیا جو شورائیت پر مبنی ہو: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوری:38)

غرض اسلام ایک ایسے سیاسی نظام کا نقیب وترجمان ہے جو غلامی کے بجائے آزادی پر مبنی ہو، جو انسانی تفریق کے بجائے مساوات پر قائم ہو، جس میں رنگ ونسل کے بجائے اخلاق وکردار کو تولا جاتا ہو، جس میں انصاف کا ایک ہی پیمانہ ہو، جس میں اصحاب اقتدار کے احتساب کی اس قدر گنجائش ہو، جتنی ایک ادنی رعایا کی اور جو انسانی کرامت وشرافت کے بنیادی تصور پر استوار ہو۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ آزادی کے لیے بھی کچھ حدود وقیود ضروری ہیں، سڑک پر ہر شخص کو چلنے کا حق ہے،

لیکن اگر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ آزادی ان کو ٹریفک کے قواعد سے بھی آزاد کرتی ہے تو یقیناً یہ آزادی پروانہ ہلاکت بن جائے گی، اس لیے آزادی کے بھی دائرے ہیں اور یہ دائرہ اخلاقی اقدار کا ہے، آزادی ایسی نہ ہو کہ جس سے اخلاق کے بندھن ٹوٹ جائیں، جو شرم وحیا کے الفاظ کو انسانی ڈکشنری سے مٹا کر رکھ دے، جو انسان کو ظلم واستبداد کے لیے آزاد کر دے، جو فطرت انسانی کی تسلیم شدہ حقیقتوں پر بھی خط نسخ پھیر دے، یہ آزادی رحمت نہیں، بلکہ زحمت ہے اور سامان عافیت نہیں، بلکہ ابتلا ومصیبت ہے، افسوس کہ مغرب میں کلیسائی نظام کے خلاف جو بغاوت ہوئی، اس نے مذہب بے زاری کی ایسی برقی رو، دوڑادی کہ جس نے فکر ونظر کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے اور لوگوں نے سمجھا کہ آزادی یہ ہے کہ انسان مادر و پدر سے آزاد ہو جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمہ اخلاقی قدروں کو بھی غلامی کی علامت سمجھ لیا گیا، مخرب اخلاق اسباب کو بھی آزادی کا پروانہ دے دیا گیا اور انسان کے لیے یہ بات مشکل ہو گئی کہ وہ اپنے پیکر آزادی پر اخلاق وشرافت کی قید وبند کا کوئی تار لباس باقی رہنے دے۔

اسلام ایسی بے قید آزادی کا قائل نہیں، اسی لیے اس نے انتظام وتدبیر انسان کے ہاتھ میں رکھا اور قانون کی لگام خدا کے ہاتھ میں دی: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ کیوں کہ انسان کے خالق سے بڑھ کر انسان کی آزادی کے حدود اور اس کی بھلائی کے لیے مطلوب پابندیوں اور قیود کو کوئی اور ذات نہیں سمجھ سکتی، یہ آزادی کا ایک متوازن، معتدل تصور ہے، جس میں نہ صرف آخرت کی فلاح ہے، بلکہ دنیا کی بھی بھلائی ہے کہ خدا کی غلامی ہی اصل میں انسان کی آزادی ہے، جو شخص خدا کا غلام بننے کو تیار نہ ہو تو اسے ضرور مخلوق کا غلام بننا پڑے گا، اگر وہ دوسروں کا غلام نہ بنے، تو کم سے کم خود اپنے نفس کی غلامی اسے قبول کرنی ہوگی، اسی کو مرد حق آگاہ شاعر اسلام علامہ اقبال نے کہا ہے کہ:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

……◆……

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا سید فضیل احمد ناصری

استاذ حدیث جامعہ ہٰذا و نائب مدیر ماہنامہ محدث عصر، دیو بند

جامعہ میں داخلے کی کارروائی کا آغاز

جامعہ میں تعطیل کلاں ختم ہوتے ہی جدید وقدیم داخلے کی کارروائی شروع کر دی گئی۔ جامعہ کا دفتر 3 شوال سے ہی کھل گیا اور داخلے کی کارروائی اس دن سے مسلسل آگے بڑھتی رہی۔ جدید طلبہ نے داخلے کے لیے بڑی تعداد میں رجوع کیا اور جامعہ کو اپنے تعلیمی سفر کی قیادت کے لیے منتخب کیا۔ جامعہ میں جدید داخلے کا معیار امتحان میں کامیابی ہے۔ جو طلبہ امتحان داخلہ میں مطلوبہ معیار پر پورا اترتے ہیں انہیں ہی داخلہ دیا جاتا ہے۔ حفظ سمیت اعدادیہ، عربی اول تا عربی چہارم میں داخلے کے خواہشمند طلبہ کا امتحان تقریری ہوتا ہے، جب کہ موقوف علیہ، دورۂ حدیث اور تکمیلات میں داخلے کے لیے تحریری امتحان ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قدیم طلبہ نے بھی اپنے داخلے کی کارروائی بھی مکمل کر لی۔

تعلیم کا آغاز

قدیم و جدید داخلے کی کارروائی کے دوران ہی جامعہ میں تعلیم کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔ ابتدائی مرحلے میں درجۂ حفظ، اعدادیہ اور عربی اول تا عربی چہارم کی پڑھائی شروع ہوگئی۔ موقوف علیہ، دورۂ حدیث اور تکمیلات کی تعلیم دوسرے مرحلے میں امتحان اور اس کے نتائج آویزاں ہونے کے بعد شروع کر دی گئی۔ الحمدللہ تعلیمی کارواں اب مستعدی کے ساتھ رواں دواں ہے اور طلبہ تعلیم سے آراستہ ہونے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

مسجد انور شاہ میں خانقاہی سرگرمیاں

جامعہ کی عظیم الشان مسجد الموسوم بہ مسجد انور شاہ میں ہر سال کی طرح امسال بھی رمضان المبارک میں

خانقاہی سلسلہ جاری رہا۔ یہ مبارک سلسلہ بانیِ جامعہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہ نے جاری فرمایا تھا جو الحمدللہ ان کی وفات کے بعد بھی تا حال بہتر انداز میں چل رہا ہے۔ جامعہ کے استاذ حدیث مولانا صغیر احمد پرتاب گڑھی زید مجدہم خلیفہ ومجاز حضرت مولانا قمر الزماں الہ ابادی مدظلہ مسجد انور شاہ میں خانقاہی امور انجام دیتے ہیں۔ بعد عشاء مولانا کا بیان ہوتا ہے، جس میں تراویح میں پڑھے گئے سپارے کی مختصر تفسیر ہوتی ہے اور اصلاح باطن پر گراں قدر نصیحت بھی۔

اعتکاف کرنے والوں کے لیے جامعہ کی طرف سے انتظام

مسجد انور شاہ میں جہاں خانقاہی امور کی روایت رہی ہے وہیں اعتکاف کرنے والوں کا بھی سلسلہ الحمدللہ برسوں سے جاری ہے۔ اس رمضان میں بھی 20 کے قریب خوش نصیبوں نے مسنون اعتکاف کیا، جن کے لیے افطار وسحر اور طعام کا نظم جامعہ کی طرف سے چلتا رہا۔

رواق انظر کی تعمیر جاری

جامعہ کی طرف طلبہ کے جوق در جوق رجوع کے پیش نظر جامعہ کا موجودہ دارالاقامہ ناکافی ہو گیا تھا، اس لیے کئی سال پیش تر جدید دارالاقامہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا، جس کی تعمیر الحمدللہ تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ مجوزہ سہ منزلہ بلڈنگ کا تحتانی حصہ تقریباً مکمل ہو گیا ہے۔ طلبہ کی رہائش بھی شروع ہو چکی ہے۔ طالبان علوم کی سہولت کے لیے دارالاقامہ کے قریب ہی کئی غسل خانے اور بیت الخلا بھی تعمیر کیے گئے۔ ان شاء اللہ عنقریب ہی دوسری منزل کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ یہ دارالاقامہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہ کے نام نامی کی طرف منسوب ہے۔

حج تربیتی کیمپ میں ناچیز کی شرکت

مسلم فنڈ ٹرسٹ دیوبند کی جانب سے ہر سال ماہ شوال میں حج وعمرہ کے لیے تربیتی کیمپ منعقد ہوتا ہے، جس میں دیوبند کے نمایاں مدارس کے موقر علما کو مدعو کیا جاتا ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے ناچیز سید فضیل احمد ناصری کو بھی یاد کیا جاتا ہے۔ بندے کا موضوع اس بار بھی فضائل عمرہ رہا۔

خاکسار نے بتایا کہ حج وعمرہ ایک عظیم عبادت ہے۔ اس سے گناہ جھڑتے ہیں۔ احادیث میں ان دونوں کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ خاکسار نے عمرے کے دوران کی جانے والی غلطیوں کو بھی اجاگر کیا اور صحیح

اسلامی تعلیمات پیش کرتے ہوئے انہیں عمرے کا طریقہ بتایا۔ الحمدللہ بڑی توجہ کے ساتھ بندے کی گزارشات سنی گئیں۔

مولانا محمد عاقل مظاہری کی وفات پر جامعہ میں دعا وتعزیتی نشست

28 / اپریل 2025 کو بروز پیر جامعہ مظاہر علوم جدید سہارن پور کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت مولانا سید محمد عاقل مظاہری صاحب کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کی خبر جیسے ہی جامعہ میں پہونچی اساتذۂ جامعہ نے شدید رنج وغم کا اظہار کیا۔ ان کے ایصال ثواب کے لئے جامعہ میں قرآن خوانی بھی ہوئی اور اس کے بعد تعزیتی مجلس۔

تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے رئیس الجامعہ وشیخ الحدیث حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب کی خبر وفات نے بہت صدمہ پہونچایا۔ وہ اسلاف کے ایک قابل فخر نمونہ اور اکابر کی ایک روشن یادگار تھے۔ جامعہ مظاہر علوم جیسی شہرۂ آفاق درسگاہ میں نصف صدی سے زائد مسند درس کو رونق بخشی۔

شاہ صاحب نے مزید فرمایا کہ مولانا مرحوم نے مظاہر علوم میں پچاس سال سے زیادہ عرصے تک صدارت تدریس کا منصب بھی بڑے ہی باوقار انداز میں سنبھالا اور دم واپسیں تک اسے عروج بخشا۔ ان جیسی شخصیات کم پیدا ہوتی ہیں اور ایسی شخصیات کا آٹھ جانا علم وفضل کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم اپنے علم، تقوی، انابت الی اللہ اور درس حدیث میں اشتغال کی وجہ سے مرجع خلائق تھے۔ باری تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت فرمائے۔

خاکسار سید فضیل احمد ناصری نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مولانا مرحوم جیسی نابغۂ روزگار شخصیات کی وفات سے علوم اسلامیہ کا رمز آشنا چلا گیا اور فضل وکمال کا ایک روشن مینار ٹوٹ گیا۔ مولانا نے علم اور عمل کو یک جان دو قالب کر لیا تھا، جو اس قحط الرجالی دور میں واقعی ایک بڑی کرامت ہے۔ مسند حدیث انہیں عرصۂ دراز تک یاد کرتی رہے گی۔

مولانا ناصری نے مزید کہا کہ مرحوم نے درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی رکھا تھا۔ نسائی شریف کی شرح الفیض السمائی ان کی تحقیق وتحشیہ کے ساتھ منظر عام پر آئی۔ ابوداؤد شریف کی شاہ کار شرح الدر المنضود لکھی، جو اہل علم کے درمیان کافی مقبول ومروج ہے۔ ترمذی شریف کی شرح بھی وفات سے ایک دن پہلے طبع ہوئی۔ ان سے ان کا درک، فہم اور علم حدیث میں تبحر وتعمق نمایاں ہوتا ہے۔

جامعہ کے استاذ حدیث مولانا محمد صغیر پرتاب گڑھی نے کہا کہ مولانا مرحوم جیسی شخصیات خال خال ہی ہوتی ہیں۔ ایک طویل زمانے تک مظاہر علوم جیسے ادارے میں حدیث کا درس دینا اور صدارت تدریس کے فرائض بخوبی انجام دینا مولانا کے مفاخر میں سے ہے۔مولانا مرحوم مظاہر علوم کے آخری ستون تھے۔

استاذ حدیث مولانا ابوطلحہ اعظمی نے کہا کہ مولانا مرحوم سادگی اور علم ومعرفت کے عجیب وغریب سنگم تھے۔ بامقصد زندگی گزارنا اور وقت کو کارآمد بنانا کوئی ان سے سیکھے۔انہوں نے بعد والوں کے لیے روشن مثال چھوڑی ہے۔

مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کا سانحۂ ارتحال

حضرت مولانا سید محمد عاقل مظاہری صاحب کی وفات کا غم ابھی تازہ ہی تھا کہ معاً بعد ہی ملک کی ایک اور ممتاز شخصیت اور بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کے سانحۂ ارتحال کی خبر نے اہل علم کو غمگین کردیا۔

جامعہ میں جلسۂ تعزیت منعقد کیا گیا اور قرآن پڑھ کر ان کے لیے ایصال ثواب کردیا گیا۔تعزیتی نشست سے خطاب کرتے ہوئے رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی کی وفات ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ انہوں نے جس لگن، انہماک اور سرفروشی سے اسلام کی خدمت کی وہ تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ محفوظ رہے گی۔جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا جیسی بڑی درس گاہ انہوں نے قائم کرڈالی ،جس نے علوم اسلامیہ کی اشاعت میں بڑا کردار ادا کیا اور مسلسل ادا کررہا ہے۔مولانا کی شخصیت فکر وعمل سے عبارت تھی۔ وہ قوم کی زبوں حالی سے پریشان تھے اور اسے اس گرداب سے نکالنا چاہتے تھے۔عصری ادارے ان کی اس فکر کے شاہد ہیں۔مساجد اور مدارس کی تعمیر ان پر مستزاد۔ان کے کارنامے ان کی یادوں کو فروزاں رکھیں گے۔

ناچیز سید فضیل احمد ناصری نے کہا کہ مولانا وستانوی کی وفات ایک عظیم خسارہ ہے۔انہوں نے جس تن دہی اور جفاکشی سے تعمیر ملت میں حصہ لیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔مسلمانوں میں دینی تربیت کے ساتھ عصری علوم کی اشاعت ان کا بڑا کارنامہ ہے۔مولانا کی شخصیت جہد مسلسل اور عزیمت واستقامت کا کوہ گراں تھی۔ان کے ارتحال سے ہم نے ایک گوہر نایاب کھودیا۔فرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

……✦……

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
Vol. 22 Issue 03/May-July/2024
RNI UPURD/2000/10663(83220)
Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com
Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah
on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)
Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

April - May 2025



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دارالاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دارالاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah
A/C No.: 50100420638245
IFSC : HDFC0001974
BRANCH: HDFC DEOBAND